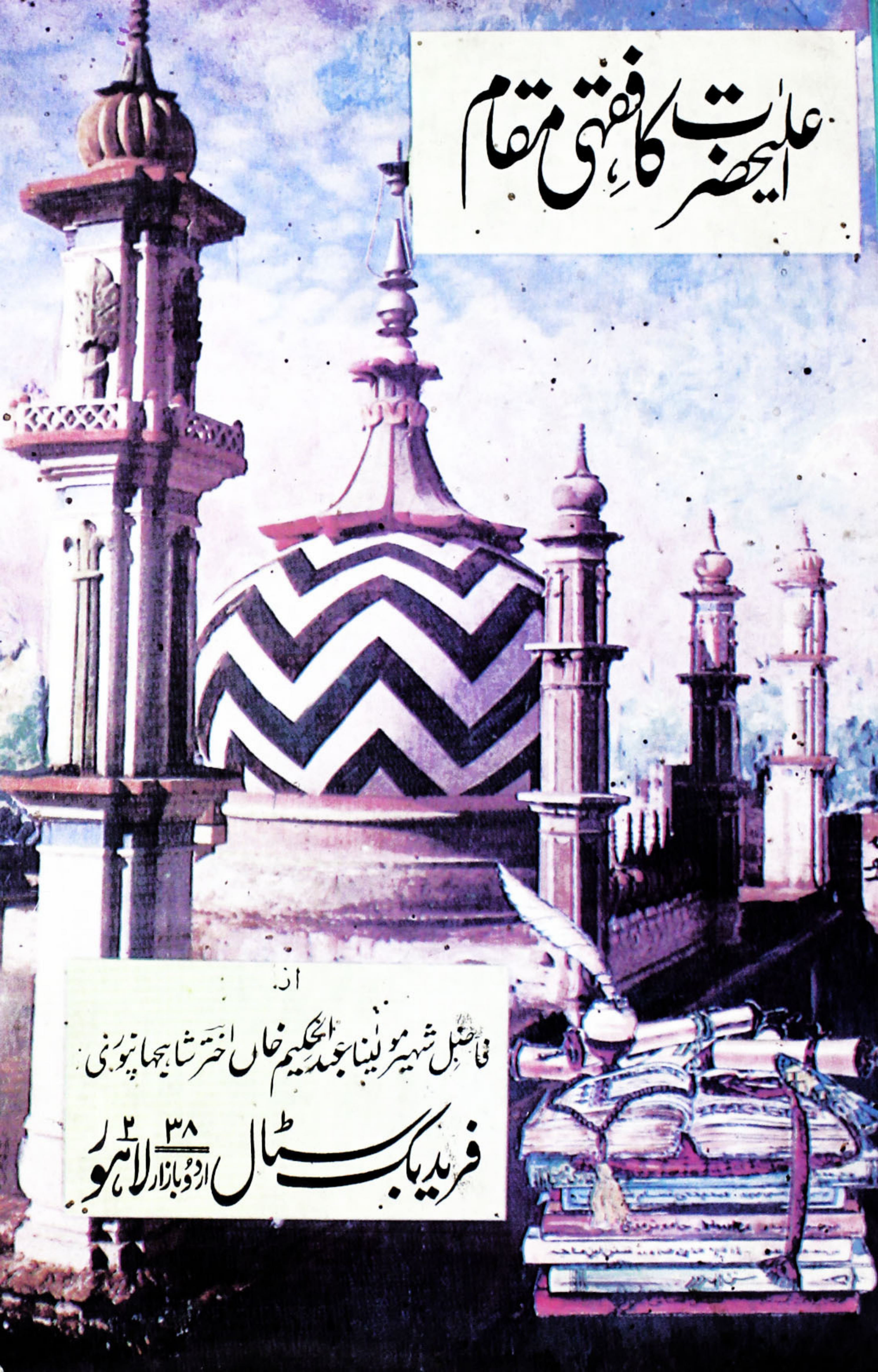


عزت کا فقہی مقام ایحضرت کا



از

فاضل شہیر مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہا پورہنی

فریدی کسٹال اردو بازار لاہور

عائیت کافہ فی مقام ایحضرت کا

از
فاضل شہیر مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری

فریادِ کمال
۳۸ اردو بازار
لاہور-۲

نام کتاب: _____ اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام

نام مصنف: _____ اختر شاہ جہان پوری

مطبع: _____ عالمین پریس لاہور

پروف ریڈنگ: _____ اختر شاہ جہان پوری

اشاعت بار اول: _____ ۱۹۷۱ء

اشاعت بار دوم: _____ ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء

قیمت: _____ 45 00 روپے

کتاب

۳

انتساب

مرشدی و مولائی حضرت مفتی اعظم شاہ محمد ظفر اللہ نقشبندی

مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء

کلام

انور شاہ جہان پوری مظہری

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۵۵	الطبعة البديعة	۵	عرض حال (از محمد عارف رضوی)
۱۵۸	مسئلہ لمعہ	۹	پیش لفظ (از مفتی غلام معین الدین نعیمی)
۱۶۰	تحقیق رقت و سیلان	۱۳	سخن ہائے گفتنی (مولانا ارشد قادری)
۱۶۳	اظہار حقیقت	۵۶	اور حافظ محمد شعبان (۱۳) تمہید
۱۶۳	مخالفین کا اعتراف عظمت	۷۷	اعلیٰ حضرت اپنی تصانیف کی روشنی میں
۱۶۵	تھاؤی صاحب کے بیانات	۸۰	مسئلہ تقبیل ابہامین
۱۶۶	مولوی مرتضیٰ حسن درہنگی کی رائے	۸۹	مسئلہ سماع موتی
۱۶۷	جماعت اسلامی کے ایک نائب امیر کی رائے	۹۳	مسئلہ جمع بین الصلوٰتین
۱۶۷	ماہنامہ "معارف" کا تبصرہ	۹۹	نوٹ کے مسائل
۱۷۱	فیض رضا پائندہ باد (منقبت)	۱۱۰	تیمم کی تعریف و ماہیت شرعیہ
۱۷۳	نذر عقیدت	۱۱۴	مسئلہ امکان کذب
۱۷۵	قطعات تاریخ	۱۳۵	نقصیہ کا مقام
۱۷۷	انقرشا بہمان پوری کی تصانیف	۱۴۱	مسئلہ کتاب جس میں ہے یا نہیں؟
		۱۴۶	مسئلہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم
		۱۵۱	قرائین العلماء

عرض حال

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مجدد ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ
 ایک نادر روزگار عالم دین تھے۔ قدرت کی فیاضی سے انہیں علم فقہ میں جو مقام و مرتبہ اور
 کمال ودیعت ہوا تھا وہ بہت کم علماء کو حاصل ہوا ہے اور یہ سلسلہ امر ہے کہ ان کے
 معاصرین میں ان کا کوئی سہیم و نظیر نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالف مولف نہ بہتہ الخواطر نے
 اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔ یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقہ
 المحنفی و جزئیاتہ بشہد بذالک مجموع کتابہ کفل الفقیہ الفاضل فی احکام
 قوطاس الدراہم الذی الفہم فی مکة سنة ثلاث وعشرين وثلاث مائة و الف۔
 مگر صدافسوس کہ اپنوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے علمی مقام اور ان کی ملی خدمات
 سے دنیا کو متعارف کرانے کی قطعاً کوشش نہیں کی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ان کی سینکڑوں بلند پایہ
 تصانیف ہنوز زیورِ لبائست سے آراستہ ہو کر منصفہ شہود پر نہ آسکیں۔
 ان حالات کے پیش نظر احقر نے بعض نخلص اجاب کے تعاون سے ایک ادارہ بنا کر
 ”مرکزی مجلسِ رضا“ قائم کیا جس کے قیام کا مقصد و حید یہ ہے کہ فاضل بریلوی قدس سرہ
 کے کمالات علمیہ اور خدماتِ دینیہ و ملیہ سے عوام و خواص اور ہر مخالف و موافق کو صحیح طور پر
 متعارف کرایا جائے اور صحیح العقیدہ اہل علم حضرات جو وقت کی اہم ضرورت کو فراموش کیے
 ہوئے ہیں، انہیں اعلیٰ حضرت پر کام کرنے کے لیے متوجہ کیا جائے۔

ان نہ بہتہ الخواطر جلد ہشتم از مولانا عبدالحمی باصنافات مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۴۱

اس عظیم مقصد کے پیش نظر ”مرکزی مجلس رضالامور“ نے ۱۳۸۹ھ کو بطور
ذیل پر مشتمل ایک مطبوعہ مراسلہ سینکڑوں کی تعداد میں علماء کرام کی خدمت میں ارسال کیا۔
گزارش ہے کہ اراکین ”مرکزی مجلس رضالامور“ نے امام اہل سنت مولانا
مفتی شاہ محمد احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ العزیز پر علماء کرام سے
انعامی مضامین لکھوانے کا فیصلہ کیا ہے اور طے پایا ہے کہ اول، دوم اور
سوم قرار دیے جانے والے مضامین پر بالترتیب سو، پچاس اور پچیس روپے
کے نقد انعامات پیش کیے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

درج بالا مراسلے کا مضمون مختلف اخبار و رسائل میں بھی شائع کرایا گیا اور اس تحریر کا
نتیجہ نہایت حوصلہ افزا برآمد ہوا۔ مختلف علماء کرام نے اس موضوع پر نہایت قابل قدر مضامین
پر قلم فرما کر ہمیں بھیجے۔ جملہ موصولہ مضامین کو علماء کرام کے ایک بورڈ نے ملاحظہ کیا اور متفقہ
طور پر حضرت مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی (بہاول پور) کے مقالہ کو اول قرار دیا اور
فاضل محترم جناب عبدالحمیم خاں اختر شاہ جہان پوری اور حضرت مولانا مفتی سید شجاعت علی
(کراچی) کے مقالات کو بالترتیب درجہ دوم و سوم میں شمار کیا۔ حسب اعلان مضمون نگار
مہتاب کی خدمت میں نذرانے پیش کر دیے گئے۔ علاوہ بریں آٹھ حضرات کی خدمت میں
حوصلہ افزائی اور قدر دانی کے طور پر تیسرا انعام پیش کر دیا گیا۔ مذکورہ تینوں منتخب مضامین میں
سے حضرت مفتی شجاعت علی مدظلہ کا مضمون اس کی جامعیت کے پیش نظر فتاویٰ رضویہ دکن (کتاب
النکاح) کے شروع میں بطور دیباچہ شامل کر دیا گیا ہے۔ حضرت مولانا فیض احمد کا مقالہ
”انوارِ رضا“ کی زینت بننے کا انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت اختر شاہ جہان پوری کا مقالہ پیش خدمت ہے ”اعلیٰ حضرت کے فقہی مقام“ پر
بقیہ مضامین و مقالات مرکزی مجلس رضا کی تحویل میں ہیں انہیں بھی مناسب وقت پر شائع
کرنے کی کوشش کی جائے گی اور کسی صاحب کی محنت کو بھی ضائع نہیں ہونے دیا جائیگا۔ انشاء اللہ۔

اخترامیہ کتاب ہے کہ پیش نظر مقالہ اعلیٰ حضرت کے فقہی مقام کو سمجھنے میں راہ نما ثابت ہوگا اور ان اہل علم و فضل و کمال میں اس موضوع پر لکھنے کی تحریک پیدا کرے گا جو یقیناً اس موضوع پر بہتر طور پر مبسوط کتابیں لکھ سکتے ہیں۔

جناب محترم اختر صاحب نے اپنے اس مقالے میں تفصیل کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے مخالف معاصر علماء کی نقاہت کا موازنہ کر کے دکھایا تھا کہ وہ علماء ان کے مقابلے میں بے حد کمزور تھے اور موضوع نے مسئلہ تکفیر پر بھی بحث کی تھی مگر میری درخواست پر انہوں نے اپنے مقالے سے یہ دونوں بحثیں حذف کر دی ہیں۔ موازنہ و مقابلہ کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھی کہ جب وہ خود اقراری ہیں کہ فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر گہری نظر رکھنے والا ان کے زمانے میں ملنا مشکل تھا تو ہمیں بلا ضرورت مقالے کو طوالت نہیں دینی چاہیے۔ رہا مسئلہ تکفیر تو اس پر فاضل جیل شیخ القرآن حضرت مولانا غلام علی اکاڑوی مدظلہ کائنات فاضلانہ مقالہ بغرض اشاعت موصول ہو چکا ہے۔ اس قیمتی مقالے کی اشاعت سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جائیگا کہ اعلیٰ حضرت نے جن عبارات کی بنا پر حکم تکفیر جاری کیا تھا وہ اسی کی مستحق تھیں اور اعلیٰ حضرت نے شرعی فیصلہ صادر فرما کر اپنے فرض منصبی کو ادا کیا تھا۔ نیز ان لوگوں کی قلعی کھل جائے گی جو اعلیٰ حضرت کے محب بن کر سکول اور کالج کے لڑکوں کو یہ باور کرنے کی مذموم سعی کر رہے ہیں کہ ان عبادتوں میں صرف احتمال کفر پایا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

”اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام“ مجلس رضا کی تیسری پیش کش ہے۔ سب سے پہلے رسالہ تجلی المشکوٰۃ ۱۳۸۸ھ میں طبع کر کے بلا قیمت تقسیم کیا گیا۔ صفر ۱۳۹۱ھ میں محترم ڈاکٹر پروفیسر فقہ مسعود احمد ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی نہایت تحقیقی تصنیف ”فاضل بریلوی اور ترک موالات“ طبع کرائی جو اہل علم حضرات میں بے حد مقبول ہوئی اور اس کی کاپیاں مدینہ طیبہ افغانستان، ایران، افریقہ، انگلستان اور فرانس کے ارباب علم و فضل کی خدمت میں بھیجوائی گئیں۔ محترم پروفیسر صاحب قبلہ کی اس کتاب پر اخبارات و رسائل نے شاندار تبصرے کیے۔

پنپانچہ یہ کتاب تین ماہ کی تئیل مدت میں ختم ہو گئی اور اس کا دو سمر ایڈیشن ضروری تصحیح اور تیسروں کے اضائف کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔ مجلس کی طرف سے یہ کتابیں ڈاک خرچ کے لیے ٹکٹ موصول ہونے پر ارسال کی گئیں اور اکثر اہل علم حضرات کی خدمت میں از خود بھجوا دی گئی ہیں۔

”مرکزی مجلسِ رضا“ کے زیر اہتمام ہر سال اعلیٰ حضرت کا یوم (عرس) بھی منایا جاتا ہے۔ اس سال یومِ رضا پر پاکستان کے علاوہ بھارت، افغانستان، مدینہ طیبہ کے جلیل القدر علماء کرام، مشائخ نظام اور دانشوروں کے پیغامات بھی موصول ہوئے جو عنقریب ”پیغامات یومِ رضا“ کے نام سے شائع کیے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

تاریخ کرام سے التماس ہے کہ وہ اراکین و معاونین ”مرکزی مجلسِ رضا“ کے لیے دعا فرمائیں کہ وہ امام اہل سنت کے علوم کی اشاعت زیادہ سے زیادہ کر سکیں اور اس عاشقِ رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علم و مقام سے دنیا کو کما حقہ متعارف کرا سکیں۔ یہ بھی گزارش ہے کہ ہمارے شائع کردہ رسالے میں اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ہمیں ضرور مطلع کیا جائے تاکہ اس کی تلافی کی جاسکے۔

محمد عارف رضوی ضیائی

صدر مرکزی مجلسِ رضا لاہور۔

۱۵ شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ



پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی حکیم غلام معین الدین نعیمی مدظلہ... لاہور

مبسملاً و محمدًا و مصدباً و مسلماً۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مائتہ
حاضرہ مفتی شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، دین برحق کے ایسے امام ہیں جن کے
کمالات علم و عمل عرب و عجم میں اہل دین کے قلوب پر اپنا سکھ جھپکے ہیں۔ موجودہ صدی کے نسبت
تک عرب و عجم، ایشیا و افریقہ وغیرہ براعظموں کے دینی معاملات آستانہ رضویہ سے فیصل
ہوتے رہے ہیں۔ آپ کا تناویٰ عجم و تحقیق میں علمائے مابین کے مجموعات تناویٰ سے کیس
زیادہ ہے اور دیگر تصانیف و شروح کی تعداد تو ہزار کے لگ بھگ ہے۔

عزیز القدر مولانا اختر شاہ جہان پوری منظر ہی نے (اللہ تعالیٰ ان کے علم و فہم میں اور
زیادہ افزودنی فرمائے) اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نقاہت پر زیر نظر مقالہ قلمبند فرمایا ہے۔ میں
نے حرفاً حرفاً اسے پڑھا اور خوب لطف اٹھایا ہے۔ ماشاء اللہ خوب تحریر ہے اور حضرت
فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات علمیہ میں سے عظیم الشان نقہی مقام کا تصور سلجھے ہوئے
انگاز میں پیش کیا ہے۔ اگرچہ صرف چند مسائل اور رسائل ہی سے نقاہت کی جھلک دکھائی ہے
لیکن ”مشتے نمونہ از خردارے“ اپنے ذوق تحقیق اور حسن ترتیب کا خوب مظاہر کیا ہے۔ فیض اللہ فی الخیر

۱۵ افسوس کہ حضرت مفتی صاحب بتاريخ ۲۴ اگست ۱۹۷۱ء کو انتقال فرما گئے۔ رحمہ اللہ۔

میرے استاد و مرشد سیدی حضرت صدرالافاضل قدس سرہ نے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ
 علیہ کے اندازِ بحث اور فہمِ کلام کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ :-

آپ (یعنی اعلیٰ حضرت) کا اندازِ بحث بالکل محققانہ ہے۔ منطقی مقالات اور
 سفسطوں سے آپ کا کلام بالکل پاک ہوتا ہے۔ تدقیق اس قدر کہ علماء کو
 مطالب تک پہنچنے کے لیے بسا اوقات عرق ریزی اور جانفشانی کی ضرورت
 ہوتی ہے۔ احتمالاتِ مخالف کی تمام راہیں زبردست دلائل سے اول بند
 کر دی جاتی ہیں۔ جس بحث میں قلم اٹھایا ہے ممکن نہیں کہ مخالف کو جائے دم
 زون باقی رہی ہو۔ معاندانہ منکاب سے اور سفیمانہ سب و شتم تو کسی علمی تحقیق کا
 جواب نہیں ہو سکتے اور اس کام کا انجام دنیا ہر زبان و راز، عظیم المروت والحمیا
 کو آسان بھی ہے مگر علمی معارک میں ہرزہ سرائی کیا بارپانے کے قابل ہے
 مگر نہ دیکھا گیا کہ محققانہ طور پر کسی شخص کو اس امام المتکلمین کے سامنے لب
 کشائی کی جرأت ہوئی ہو۔ (افاضات صدرالافاضل)

میرے یگانہ روزگار مرشد، علمائے معاصرین میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے لیکن
 وہ بھی اعلیٰ حضرت کی بلند ترین فضیلتِ علمیہ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں :-
 ”قاویٰ پر نظر ڈالنے والا اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں
 ایسے بہت سے علوم عطا فرمائے تھے جن سے آج دنیا کے ہاتھ خالی ہیں
 مجھے اعتراض کرنا پڑتا ہے کہ میں ان کی وسعتِ معلومات، وقتِ نظر، علومِ مضامین
 بلندیِ تحقیق، جودیتِ کلام کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں۔ باوصف اپنا بے بضاعتی
 کے ان کے کمالات تک میرے ناقص فہم کو جتنی رسائی ہوئی ہے اور ان کو
 جیسے الفاظ میں تعبیر کر سکتا ہوں وہ حاضر ہے، لیکن یہ اس امام جلیل کی رفعت
 و منزلت کی پوری تصویر نہیں ہو سکتی، ایک خدا داد نعمت تھی، ایک وہی فیض تھا

جس کو سمجھنے سے عقل حیران ہے“ (افاضات صدر الافاضل)

تقاہت

سیدی ماستادی حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقاہت کے بارے میں مولیٰ راوی می شناسد کے طور پر فرمایا۔

”علم نقہ میں جو تجر و کمال حضرت مددوح کو حاصل تھا اس کو عرب و عجم مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا۔ تفصیل تو ان کے فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ درلفظوں میں یوں سمجھیے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک منقہ تھا جس کی طرف تمام عالم کے حوادث و وقائع استفاد کے لیے رجوع کیے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو نقہ کے نیصے دے رہا تھا وہی تمام بد مذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کے بالغ رو بھی کرتا تھا اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ نقہ میں ان کا نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھا“ (افادات صدر الافاضل)

علم حدیث و دیگر علوم

علم حدیث کے سلسلہ میں سیدی صدر الافاضل قدس سرہ نے فرمایا۔
 ”علم حدیث میں بھی وہ (اعلیٰ حضرت) فرد تھے، اپنا ہمتانہ رکھتے تھے علم ربان میں ان کو وہ دستگاہ حاصل تھی کہ ایک ایک راوی کے حالات نوک زبان پر تھے اور معنی میں بحث، ناسخ و منسوخ کی تمیز، متعارضین کی توفیق۔ یہ تو ان کا خاص حصہ تھا۔۔۔۔۔ علم تفسیر و اصول نقہ و اصول حدیث و عقائد و کلام و ادب و عروض

میں آپ پتا جواب نہ رکھتے تھے اور اگر آپ کی نظیر تلاش کی جائے تو آج سے
دو صدی قبل کے علماء کی جستجو کرنا پڑے گی۔ بہت سے علوم وہ ہیں جو آپ کے
ساتھ ہی دفن ہو گئے اور آپ کے زمانہ میں کوئی ان علوم میں کامل تو کیا ناقص
بھی نہ پایا گیا۔“ (اناضات صدر الافاضل)

مجھ جیسے پیچھیز کے لیے اس سے زیادہ وسیع و موثر الفاظ میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ
کی تعریف و توصیف اور اظہار حقیقت کیسے ممکن ہے، علاوہ بریں حرمین طیبین اور دیگر
بلاد اسلامیہ کی یگانہ روزگار علمی ہستیوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو نابغہ روزگار اور عظیم النظیر
محقق تسلیم کیا ہے۔ اس سے بھی قطع نظر اعلیٰ حضرت کی جملہ تصانیف اور خصوصاً فتاویٰ رضویہ
اس امر کی واضح شہادت دے رہا ہے کہ اس کا مصنف و تالیف کا خزانہ، حقائق کا گنجینہ اور
تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں منصبِ امامت پر فائز تھا۔

”مرکزی مجلسِ رضا لاہور“ کے مخلص اراکین مستحقِ صد ستائش ہیں کہ وہ اس
قیمتی مضمون کو شائع کر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے کمالات علمیہ کو احسن طریقے
سے منظر عام پر لانے کا مذکورہ مجلس کے اراکین نے جو پروگرام بنایا ہے اس بعیرت افزوز
مقلے کی اشاعت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مذکورہ مجلس تمام سنیوں کے خصوصی
تعاون کی مستحق ہے تاکہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجددانہ کارناموں کو منظر عام پر لایا
جاسکے جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

فقیر:- غلام معین الدین نعمی۔ مدیر پندرہ روزہ ”سوادِ اعظم“

لاہور



سخن ہائے گفتنی

فقہ حنفی کا یہ کارنامہ آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ اس نے اقوامِ عظیم کو اسلام سے متاثر کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض ملکوں میں تو اسلام کا سوا اور عظیم ہی حنفی مذہب کی بنیاد پر قائم ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ترکی، افغانستان، پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کے تقریباً چالیس کروڑ مسلمانوں کے معاشرے پر حنفی مذہب کچھ اس طرح چھایا ہوا ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہے بلکہ ان ممالک پر کئی دور ایسے بھی گزرے ہیں جبکہ فقہ حنفی نے قانونِ وقت کی حیثیت سے پورے برصغیر پر حکومت کی ہے۔

فقہ حنفی حقیقت میں کتاب و سنت، عقل و بصیرت اور انسانی فطرت کے تقاضوں سے اتنا ہم آہنگ ہے کہ اس سے اختلاف کے لیے کسی کو آج تک کوئی معقول بنیاد نہیں مل سکی ہے۔ برصغیر میں غیر مقلد نام کا جو فرقہ آج حنفی مذہب کے حریف کی حیثیت سے کہیں کہیں نظر ہے اس کا محرک علم و استدلال نہیں بلکہ سوادِ اعتقاد ہے جس کی بنیاد ان لوگوں نے کج فہمی، تنگ نظری اور ہٹ دھرمی پر رکھی ہوئی ہے۔

متمدہ ہندوستان کے اندر اس فرقے کی بنیاد رکھنے والوں میں جس ہستی کا نام سمرقندست آتا ہے وہ ہیں مولوی محمد اسماعیل دہلوی صاحب (المتوفی ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) جو حنفی گمراہی میں پیدا ہوئے لیکن اس کے باوجود آج کے غیر مقلدین حضرات صرف اس لیے انہیں اپنا امام اور پیشوا تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی کتاب تقویۃ الایمان نے سلف صالحین، ائمہ مجتہدین اور بزرگانِ دین کے خلاف بد اعتقادی کا سنگِ بنیاد رکھا ہے بلکہ عقیدہ توحید و رسالت

کو غر بورد کرتے میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھی ہے۔

غیر مقلدین حضرات نے تقویۃ الایمان کی رکھی ہوئی اسی بنیاد پر اپنے مذہب کی عمارت کھڑی کی اور حالات کی تتم نظر یعنی کہ اس تصور ہابیت کی تعمیر کے لیے سامان تعمیر اور راج مزدور فراہم کیے تو حضرات علماء دیوبند نے جو ایک جانب خفیت کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف اسلامیان ہند کے خلافت و ہابیت کے پاس بان بن کر علماء اہل حق سے برسریکھار ہیں۔ ان حضرات نے اپنے روز ازل ہی سے حق کو مٹانے اور باطل کو چمکانے کی خاطر اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کی ہوئی ہیں۔

مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کی تقویۃ الایمان جس طرح غیر مقلدین حضرات کے یہاں ایک الہامی کتاب کا درجہ رکھتی ہے اسی طرح دیوبندی حضرات کے پورے مذہبی لٹریچر کی بنیاد تقویۃ الایمان کی تصریحات پر ہے، جن کے بالمقابل آیات و احادیث بھی قابل تاویل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ان حضرات کا سارا مذہبی دائرہ تقویۃ الایمانی مرکز کے گرد گھومتا ہے۔

اس مرحلے پر آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان قدر مشترک کیا ہے جبکہ ایک گروہ اپنے آپ کو حنفی کہتا ہے کہ غیر مقلدین کا گروہ خود کو اہل حدیث بتاتا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ یہ سوال اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سوال کے جواب سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ دیوبندیت اور غیر مقلدیت کا آپس میں رشتہ کیا ہے اور دیوبندی حضرات حنفیت کے دعوے میں کس حد تک پکے ہیں۔

مذکورہ سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ غیر مقلدیت کیا چیز ہے اور وہ اپنی نشوونما کے لیے کس طرح کا ذہنی ماحول چاہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب و سنت کی تشریحات کے سلسلے میں آئمہ مجتہدین کی اصابت رائے پر اعتماد کو حرام اور کفر و شرک قرار دے کر اپنی رائے کی برتری کا عقیدہ رکھنا غیر مقلدیت کا اصل مفہوم ہے۔

چونکہ اپنے اس شرب میں ایک غیر مقلدِ کامل طور پر تنہا اور اُمتِ مسلمہ کی چودہ سو سالہ روایات سے بالکل الگ تھلک ہے۔ یہیں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ماضی کے عوام و خواص اور اُمت کے سوادِ اعظم کے ساتھ بے اعتقادی، بدگمانی اور بے تعلق بھی غیر مقلدیت کے مفہوم میں داخل ہے۔

مذکورہ نکتہ سمجھ لینے کے بعد اب یہ معلوم کرنا آسان ہو گیا کہ غیر مقلدیت اپنی نشوونما کے لیے کس طرح کا ذہنی ماحول چاہتی ہے۔ ماضی کے بزرگوں اور اکابر اُمت کے ساتھ عقیدت، حسن اعتماد اور فکری و روحانی وابستگی کا ماحول غیر مقلدیت کے حق میں قطعاً سازگار نہیں ہے۔ اسے پھیننے اور پھیلنے پھولنے کے لیے ذہن و فکر کا صرف وہی ماحول راس آسکتا ہے جہاں بزرگانِ دین کے خلات بغاوت و سرکشی اور تحقیر و اہانت کا جذبہ جنم لے اور زیادہ سے زیادہ دلوں اور دماغوں میں سرایت کرتا جائے۔ جس ماحول میں ایسا جذبہ جنم ہی نہ لے سکے یا جنم لینے کے بعد یقیناً ذہنوں کا سہارا نہ بننے کے باعث زندہ درگور ہو جائے، ایسے ماحول اور مقامات میں غیر مقلدیت قطعاً بار نہیں پاسکتی۔

یہ پورا اگر وہاں لگا بھی دیا جائے

لیکن پروان ہرگز نہیں چڑھ سکتا۔ قارئینِ کرام ذرا ملاحظہ تو فرمائیں کہ تقویتِ الایمان اپنے قاری کو کس ذہن و فکر کا وارث بناتی ہے۔ ذرا اس عبارت کی تہ میں جھانک کر دیکھیے:-

”اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں پھلتے ہیں۔ کوئی

پہلوں کی رسموں کو سنبھل پڑتے ہیں۔ کوئی قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں۔ کوئی

مولویوں کی باتیں کو جو انہوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں سند

پکڑتے ہیں اور کوئی اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں۔“

۱۔ محمد اسماعیل دہلوی، مولوی تقویتِ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۲۵، ۲۶۔

علمائے امت اور بزرگانِ دین سے بدظن کرنے اور لائقِ رُسمنے کے لیے عوام الناس سے موصوت نے جو کتنا تھا کہہ دیا۔ جب بزرگانِ دین کے واقعات کو رو کرنے اور علمائے اسلام کی تصریحات کو ٹھکرانے کا موصوت درس دے گئے تو یقیناً موصوت اپنے آپ کو بزرگوں اور عالموں میں تو شمار ہی نہیں کرتے ہوں گے ورنہ ان کی تصریحات بھی اس ببارت کی رُو سے ٹھکرانے کے قابل ہو جائیں گی، لہذا مصنفِ تقویۃ الایمان کے معتقدین ہی کو معلوم ہوگا کہ دہلوی صاحب نے جتنی بھی مذہبی باتیں کہی یا لکھی ہیں وہ اپنے جن بھوت پری والے زہرے میں شامل ہو کر کہی ہیں یا ایسی ہستیوں کے علاوہ کسی اور ہی پُر اسرارِ گروہ میں شمولیت فرمائی تھی؛ اب ذرا دوسری ببارت کے اندر اسی درس کا اعادہ ملاحظہ فرمائیے۔

”جو کوئی یہ آیت سن کر پھریوں کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے

عالموں کے کوئی نہیں سمجھ سکتا اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی نہیں

چل سکتا، سوائے اس آیت کا انکار کیا ہے۔“

یہ بات تو تقویۃ الایمان پر غیر متزلزل ایمان رکھنے والے ہی جانتے ہوں گے کہ

انہیں آج تک ایسے کتنے جہلامد ملے ہیں جو احادیثِ مطہرہ کے مفہوم و مطالب کو بخوبی

جان لیتے ہیں اور انہیں علمائے دین سے اس بارے میں کسی قسم کی مددینے کی قطعاً

ضرورت پیش نہیں آتی۔ یقیناً ایسے جہلامد ہوں گے تو ضرور لیکن ہمیں اپنی کوتاہ نظری کے

بابت بر ملا یہ اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ ہمیں آج تک ایک بھی ایسا جاہل نظر نہیں آیا

جو علماء کی مدد کے بغیر کسی ایک حدیث کو بھی سمجھ سکا ہو۔ اب یہی بات تیسری ببارت

کے اندر ملاحظہ فرمائیے۔

”وہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کی راہ و رسم کو ماننا اور اسی کے حکم کو اپنی

سند سمجھنا، یہ بھی انہی باتوں میں سے ہے کہ خاص اللہ نے اپنی تعظیم کے

لے ایضاً ص ۲۷۔

واسطے ٹھہرائی ہیں۔ پھر جو کوئی یہ معاملہ کسی مخلوق سے کرے تو اس پر بھی شرک ثابت ہوتا ہے۔^{۱۷}

سابقہ عبارتوں میں تو بزرگانِ دین اور علمائے اسلام ہی سے لا تعلق رہتے اور ان پر اعتماد نہ کرنے کا درس دیا گیا تھا لیکن تیسری عبارت کا ایٹمی حکم مخلوق کے ہر فرد کے متعلق ہے یعنی مخلوق میں سے اگر کسی کی راہِ درسم کو مانا یا اس کے حکم کو سنا سمجھا تو یہ قرآنِ کریم کی رو سے دہوی صاحب کے نزدیک شرک ہے۔ اس حقیقت کے اندر تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مخلوق ہیں۔ لہذا اس خطرناک عبارت کا مدعا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو مسلمان پیغمبرِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راہِ درسم کو مانا اور ان کے حکم کو سنا سمجھتا ہے وہ بھی مسلمان نہیں بلکہ مشرک ہے اور جو ان کی راہِ درسم کو نہیں مانتا اور ان کے حکم کو سنا سمجھتا وہ صحیح العقیدہ مسلمان اور پیکارِ موحّد ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ نکتہ انکارِ حدیث پر کام کرنے والے حضرات تقویٰ الایمان کی اس عبارت کو فراموش نہیں کریں گے۔

مصنّف تقویٰ الایمان کے فکر کی یہ نیرنگی بھی قابلِ دید ہے کہ کتنی دیدہ دلیری کے ساتھ انہوں نے ایک مسلمان کو مشرک اور ایک مشرک کو مسلمان قرار دے دیا ہے اور حقیقت کا چہرہ مسخ کرتے ہوئے ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کی۔ گویا ان کے نزدیک خوفِ خدا اور خطرہٴ روزِ جزا محض کہنے سننے کی بات تھی۔ بہر حال اگر منصبِ رسالت کے انکار کا نام ہی توحید پر مسمیٰ ہے تو میں کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب دہوی اپنے دور کے سب سے بڑے توحید پرست تھے۔ لیکن نبیِ آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی اس مسمیٰ نظر یعنی کاشکوہ کس سے کریں کہ ایمانی حقائق کا یوں خون کر دینے کے

^{۱۷} محمد اسماعیل دہوی، مولوی تقویٰ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۸۳۔

باوجود بعض لوگ تقویۃ الایمان کے مصنف کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات درمیان میں آگئی ورنہ عبارت پیش کرنے کا مدعا یہ تھا کہ جو کتاب اپنے قاری کے ذہن میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وابستگی کا کوئی تصور پیدا نہیں ہونے دیتی وہ اُمت کے اکابر اور سلف صالحین کے ساتھ کسی طرح کا روحانی اور فکری تعلق بھلا کیونکر برداشت کر سکتی ہے؟ مجھے امید ہے کہ اہل بحث سے قارئین نے علماء دیوبند اور غیر مقلد حضرات کے درمیان تقویۃ الایمان کے پیدا کردہ ذہن کی قدر مشترک کو سمجھ لیا ہوگا۔

نہایت حسرت و تعلق کے ساتھ یہ حقیقت پر وقلم کر رہا ہوں کہ تقویۃ الایمان کے ذریعے ان دونوں گروہوں کے درمیان جو مذہبی اور فکری رابطہ وجود میں آیا اُس نے متحدہ ہندوستان میں حنفیت کو بہت نقصان پہنچایا۔ فکر و اعتقاد کا یہ باہمی ارتباط صرف علمی سطح تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کے عوامل مسلم معاشرے پر بڑی طرح اثر انداز ہوئے چونکہ علماء دیوبند کی پیشانیوں پر حنفیت کا لیل لگا ہوا تھا، اس لیے غیر مقلدین کے ساتھ ان کے فکری اور جماعتی اتحاد کے مظاہر کو دیکھ کر سادہ لوح عوام یہ سمجھ بیٹھے کہ احناف اور غیر مقلدین کے درمیان بھی اسی طرح کا سطحی اور فروری اختلاف ہوگا جیسا احناف و شوافع اور دیگر مذاہب اربعہ کے درمیان ہے۔

یہ بات صرف عوام کے سمجھنے تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ خود علماء دیوبند نے بھی عوام کو یہی سمجھانے کی کوشش کی کہ احناف (دیوبندی) اور غیر مقلدین عقائد میں متحد ہیں، اختلاف صرف فروعات میں ہے۔ جیسا کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) نے فتاویٰ رشیدیہ کے اندر واضح لفظوں میں اس کی تصریح کی ہے۔ انہی اسباب و عوامل کے زیر اثر غیر مقلد نام کے ایک ایسے فرقے کو جو تقلید شخصی کو شرک سمجھتا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۱۵۰ھ) سے سوئے اعتقاد رکھتا اور حنفی مذہب کو باطل کا مجموعہ

شمار کرتا ہے، اپنے کتنے ہی رُوحِ اسلام کے متانی نظریات کے باوجود مسلم معاشرے میں داخل ہونے کا موقع ہاتھ آگیا۔

اللہ تعالیٰ اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرماتا رہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کی تربیت پر جنہوں نے اپنے قلم حق رقم کے ذریعے متحدہ ہندوستان میں حنفی مذہب کے چمن کی آبیاری کا عظیم المثال فریضہ ادا کیا۔ فصل خزاں پر پرہ بٹھایا، بہاروں سے پیمانِ وفا باندھا اور اُن تمام سازشوں کا پردہ چاک کیا جو تقویۃ الایمان کے اوراق کے زیر سایہ اہل دیوبند اور غیر مقلدین نے حنفیت کے خلافت بڑی راہ داری سے پھیلائی ہوئی تھیں۔ اگر حنفیت کے دفاع و احیاء کے لیے امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا قلم حرکت میں نہ آیا ہوتا تو نہیں کہا جاسکتا کہ آج پاک و ہند کے اخات کن حالات سے دوچار ہوتے۔

اللہ تعالیٰ اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے اصحاب و اتباع پر اور سارے اُن فقہائے اخات پر جنہوں نے اپنے خونِ جگر سے تاریخ کے صفحات پر حنفی مذہب کی حقانیت اور برتری کے واضح نقوش ثبت فرمائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی مذہبِ ہند پر تازلیت قائم رکھے اور ان بزرگوں کے ساتھ ہی ہمارا حشر و نشر فرمائے۔ آمین

محمد ارشد القادری عفا اللہ عنہ

سابق مدیر جام نور، جمشید پور

بھارت



سخنِ مالے کفیتنی

نَصَّدُكَ وَنُصَلِّيْ عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

۱۹۶۶ء کے اوائل تک مرکزی مجلسِ رضا لاہور کے اندر صرف حکیم محمد موسیٰ امرتسری بدظلم تھے۔ یا محترم محمد عارف قادری رضوی ضیائی، اراکینِ مجلس کو کام کرنے والے اور سنی قلمکاروں کی اشد ضرورت تھی کہ مجلسِ رضا میں شامل ہو کر اس کام کو آگے بڑھائیں ان دنوں اگر دن میں چراغ لے کر بھی ڈھونڈتے تو سنی قلمکار اور مذہبِ اہل سنت و جماعت کے لیے بے لوث کام کرنے والا ملتا نہ تھا۔ جہاں سنیت پر سناٹا طاری تھا اور لاہور جیسے عظیم شہر کی فضائیں ایمان افروز صدا میں سننے کے لیے ترس رہی تھیں۔ اس ناامیدی کے عالم میں بھی یوں محسوس ہوتا تھا۔

آثار بتاتے ہیں سحر ہو کے رہے گی۔

اپریل ۱۹۶۸ء کے اوائل میں حکیم صاحب موصوف کو مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۱ھ / ۱۹۷۱ء) کی معرفت پتہ لگا کر لاہور ہی کے مصنفات میں اختر شاہ جہان پوری نامی کوئی شخص رہتا ہے جو سنیت کا درد رکھنے والا اور صاحبِ قلم ہے پتہ معلوم کر کے ۱۳ اپریل ۱۹۶۸ء کو حکیم صاحب نے ان کے نام خط لکھا اور چند روز میں دونوں حضرات کی ملاقات ہو گئی۔ اور پہلی ہی ملاقات میں مرکزی مجلسِ رضا لاہور کے اراکین کی تعداد تین ہو گئی۔ جیسے محمد عارف رضوی صاحب کو مجلسِ رضا کا صدر بنایا ہوا تھا

ایسے ہی جناب اختر صاحب جنرل سیکریٹری بنا دیے گئے بلکہ حق تو یہ ہے کہ اختر صاحب جب تک مجلس رضا میں رہے تو سارا علمی اور قلمی کام ماسوائے مخطوط نویسی کے وہی کرتے تھے۔ اور خوب والہانہ انداز سے کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت پر جتنے مقالے لکھوں نے دو تین سال کے اندر لکھ دیے تھے۔ اتنے جملہ اراکین مجلس رضا سے سولہ سالوں میں نہیں لکھے جاسکے اچانک ۱۹۶۲ء میں اختر صاحب مجلس رضا سے علیحدہ ہو گئے۔ ان کے علیحدہ ہو جانے کی وجوہات کا مجھے آج تک پتہ نہیں لگ سکا ہے۔

بہر حال اس وقت سے آج تک اختر صاحب کو میں نے خوب قریب سے دیکھا ہے۔ اس دور میں ایسے درویش صفت، دین کا سچا درد رکھنے والے، قلمی میدان میں مشین کی طرح چلنے والے اور اپنی ساری صلاحیتیں اعلائے کلمۃ الحق کے لیے وقف کر دینے والے ڈھونڈنے سے نہیں ملتے مگر اختر صاحب کو تو میں نے ایسا ہی پایا ہے۔ بلکہ کیوں نہ یہ کہہ دوں کہ ان کا وجود بریلویوں پر قدرت کا انعام ہے جو ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی طرح اپنے پیرو مرشد، مفتی اعظم دہلی حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء) کی قلمی میدان میں منہ بولتی کرامت ہیں حضرت قبلہ مفتی اعظم دہلی کا پاکستان کے سنیوں پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ قلمی میدان کے یہ دونوں شہسوار موصوف ہی کے علمی و روحانی فرزند ہیں۔ اور اپنے اپنے رنگ میں دونوں ہی لاجواب اور عظیم المثال ہیں۔

اختر صاحب کسی علمی یا روحانی گھرانے کے چشم و چراغ نہیں بلکہ وہ ایک صاحب دل زمیندار کے فرزند ہیں۔ اور اسی لحاظ سے وہ اپنے آپ کو خود روپو دا کہا کرتے ہیں ۱۹۶۲ء سے وہ پوری طرح قلمی میدان میں آئے، انھنک محنت اور خدا واصلہ صلیتوں کے باعث وہ اس دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کرتے چلے گئے۔ اور آج پاک و ہند کا شاید ہی کوئی صاحب علم سنی ہوگا جو قلمی کارناموں کی روشنی میں انھیں جانتا نہ ہو بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد مسعود صاحب اور محترم اختر شاہ جہان پوری صاحب نے اپنے اپنے انداز میں سنی قلم کاروں کو

کام کرنے کا ڈھنگ، ولولہ، شعور اور عشق دیا ہے۔ دونوں کے قلمی کاموں کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پھڑپھڑاتا ہے ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

اختر صاحب مولد اشاہجہان پوری، ساکن لاکھنؤ، مسلک سنی حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی ہیں۔ قلمی کام کی لگن نے ابتدا ہی سے انھیں گوشہ نشین رکھا ہے۔ شہرت سے بہت بھاگتے ہیں اور شاید ہی کسی نے انھیں سٹیج پر دیکھا ہو، گمنامی کی زندگی بسر کرنا، قناعت کے سہارے جینا اور چند روزہ زندگی کو اعلائے کلمۃ الحق کے لیے وقف کیے رکھنا ہی ان کی سوانح حیات ہے۔ جہاں اپنے مرشد گرامی قدر کی محبت اور پیروی کو وہ اپنا سرمایہ حیات شمار کرتے ہیں۔ وہاں چودھویں صدی کے مجدد برحق امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) سے اس درجہ قلبی لگاؤ رکھتے ہیں کہ اس دور میں رصنویت کی گویا سند بن چکے ہیں۔

اپنی اس بائیس ساڑھ قلمی زندگی میں محترم اختر صاحب نے امام احمد رضا خاں بریلوی کے دفاع میں اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرتے ہوئے جتنا کچھ لکھا ہے شاید کسی دوسرے کو اتنا مبسوط نہ آیا ہو۔ ان کا محاسبہ و محاکمہ اتنا جاندار ہوتا ہے۔ کہ کم از کم میرے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ کوئی بد مذہب ان کی کسی تحریر کا جواب دے سکا ہو۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے محترم اختر صاحب کی خدائے ذوالمنن نے اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا جو انھوں نے ان لفظوں میں کی تھی۔

یا الہی کلک اختر کو بنا کلکِ رصنا

و دشمنانِ دین نہ یہ سمجھیں رصنا جاتا رہا

یہ خیال صرف اس ناچیز کے ذہن کی پیداوار ہی نہیں بلکہ کسی مبالغہ کے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ جو بھی صاحب نظر اور منصف مزاج اختر شاہ جہان پوری کی سفارشات کو نظر غائر سے

دیکھے گا اسے کلک اختر کے اندر ضرور کلک رضا کی مہلک نظر آئے گی جب موصوف کی ماہِ نیاز
تصنیف معارف رضا کتابت و تصحیح کے مراحل سے گذر کر زیور طباعت سے آراستہ ہونے
کے لیے سال ڈیڑھ سال ترستی رہی تو مصنف نے رضویت کی منہ بولتی تصویر یعنی حضرت مولانا
اختر الحامدی الرضوی کے لیے لکھا۔ کہ ۱۹۶۵ء ختم ہونے کو ہے لہذا معارف رضا کے لیے چوتھا
قطعہ تحریر فرمادیجیے جس میں سال طباعت ۱۹۶۶ء ہوا انھوں نے جو قطعہ تاریخ ارسال فرمایا وہ
احقر کی پوری پوری تائید کرتا ہے قطعہ یہ ہے۔

اختر ترے نثار ہے کیا سیرتِ رضا	عمرت دراز باد، دعا یہ خدا سے ہے
احمد رضا کا والا و شیدا نہ تو ہو کیوں	جب ان کو عشق سرور بہر دوسرا سے ہے
تجھ پر نگاہ لطفِ رضا کی ہے رات دن	یہ اوج علم و فضل انھیں کی عطا سے ہے
سر پر امامِ اہلِ قلم کا سجا ہے تاج	کیا شانِ فضلِ حضرتِ غوثِ الوری سے ہے
طرزِ بیان میں کلکِ رضا کا ہے بانگین	ظاہر یہ حسن تیرے قلم کی ادا سے ہے
جنگِ آزما و بر سر پیکار رات دن	تو دشمنانِ ذاتِ شرِ انبیاء سے ہے

تاریخ طبع میں ہے یہ اختر کا فیصلہ

توفیقِ یابِ چشمِ فیضِ رضا سے ہے

۶۱۹۶۶

پزیرائی:

محترم اختر شاہ جہان پوری ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۸ء تک مضامین لکھتے اور مذہب
اہل سنت کی حقانیت کو اجاگر کرتے رہے۔ موصوف نے مضامین کے ذریعے اپنے قلم کی
سحر کاری کا لوہا منوالیا۔ سنی رسائل و جرائد ان سے مضمون حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے
اور حق پسندوں کو ان کے مضامین کا بے چینی سے انتظار رہتا تھا۔ ان چھ سالوں میں جب
اختر صاحب نے اپنے قلم کے بانگین کو پوری طرح دکھا دیا۔ تو تصنیف و تالیف کی جانب

متوجہ ہو گئے۔ چنانچہ سب سے پہلے امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر لکھا اور اتنا لکھا کہ لکھتے ہی چلے گئے۔ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۲ء تک متواتر چار سال لکھنے کے بعد دیکھا تو ایک مقالے کے سوا شائع کچھ بھی نہ ہو سکا۔ شاید لکھنے کی یہی لگن تھی جس نے انھیں مجلسِ رضا سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

۱۹۷۲ء میں وہ مکتبہ حامد یہ گنج بخش روڈ لاہور کے قریب ہو گئے ان دنوں اہل سنت و جماعت کے لاہور جیسے عظیم شہر میں پانچ چھ مکتبے تھے۔ جو ناشر کم اور کتب فروش زیادہ تھے۔ اگر وہ کلکِ اختر کے بانکپن کو محسوس کر لیتے تو اہل سنت کا یہ مایہ ناز قلم کار آج عالمگیر شہرت اختیار کر جاتا۔ جس سے جہاں مسلک کو بہت فائدہ پہنچتا وہاں اختر صاحب کے قلمی کارنامے ان کے لیے بھی نفع بخش ثابت ہوتے اور سنیوں کے قلمی جمود کو توڑنے میں بڑی مدد ملتی۔

اختر صاحب کو جب یہ محسوس ہو گیا کہ سنی ناشرین کو اس بات کا قطعاً احساس نہیں ہے کہ وہ اپنے قلم کاروں کو منظر عام پر لائیں اور ان کی حوصلہ افزائی کریں تو اس قلم کے دھنی اور قلمی میدان میں ثابت قدم رہنے والے نے اپنا بوجھ بہت ہی ہلکا کر لیا۔ اب تصانیف کو منظر عام پر لانے کی کوشش کرنے کے بجائے انھوں نے اہلسنت و جماعت کی شائع ہونے والی کتابوں پر دیا چے لکھنے شروع کر دیے۔ جتنی باتیں وہ ایک ضخیم کتاب کی صورت میں منظر عام پر لانا چاہتے تھے۔ انھیں دیا چے میں سمودیتے جو بروقت شائع ہو جاتا اور اس طرح متعدد کتابوں پر دیا چے لکھتے ہی چلے گئے۔ اس طرح اہل سنت تک ان کی نگارشات پہنچتی رہیں۔ اور قلمی تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا تو دوسری جانب ان کے چاہنے والوں کی تشنگی بھی دور ہوتی رہی۔ اختر صاحب کا یہ فیصلہ بڑا مناسب اور قابلِ داد تھا۔ یوں وہ منظر عام پر بھی آتے رہے اور تصنیف و تالیف میں شب و روز منہمک رہ کر اپنی قلمی تشنگی بھی بجھاتے رہے۔

موصوف کے دیباچے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے۔ مستقل تصانیف سے کسی طرح کم نہیں۔ ہر دیباچہ معلومات کا خزانہ ہے۔ ان سے قلمی کام کرنے والوں کو بڑی مدد ملتی ہے۔ انہوں نے سب سے پہلا دیباچہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ خطیب مسجد داتا دربار لاہور کی کتاب مسلک امام ربانی پر لکھا۔ کتاب کے ساتھ جب یہ معلوماتی دیباچہ اپنے پورے بانگین کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ تو دیکھنے والے دنگ رہ گئے، اہل علم پھڑک اٹھے اور جو حضرات دوسرے کی تعریف کرنے میں انتہائی کجسوس واقع ہوئے ہیں۔ وہ بھی سر اٹھنے پر مجبور ہو گئے چنانچہ انجمن رضائے مصطفیٰ اجیوٹ کے ناظم اعلیٰ نے مولانا محمد انوار الاسلام قادری رضوی مدظلہ العالی کو دیباچے کے بارے میں اپنے تاثرات سے آگاہ کرتے ہوئے یکم ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۶ مارچ ۱۹۷۲ء کو خط لکھا اور تاثرات یوں سپرد قلم کیے۔

”بندہ نے کتاب مسلک امام ربانی میں حضرت اختر شاہ جہان پوری مدظلہ کے تحریر کردہ پیش لفظ کا بغور مطالعہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بندہ نے دوران مطالعہ ہی محسوس کیا کہ جناب اختر شاہ جہان پوری ہمارے صاحب طرز اور مایہ ناز اہل قلم ہیں۔ آپ کا قلم بند مہوں کا کمال مہارت سے پورے طہارٹم کرتا ہے کیونکہ وہ پیغام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بے باک ترجمان اور اس گئے گذرے زمانہ میں عشق رسول کی صلائے عام ہے۔ علمی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ پیش لفظ صور اسرافیل ہے۔ مبالغہ نہ ہو گا اگر میں یہ کہوں کہ حضرت اختر شاہ جہان پوری کا قلم اپنے علمی جاندار کارناموں کی روشنی میں فی زمانہ شمشیر بے نیام ہے۔ نیز مدلل زور بیان سے محاسبے اور محکمے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ الحمد للہ ماشاء اللہ سنیوں کے لیے آپ کا وجود نعمت خداوندی ہے۔“

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ ناچیز طالب دعا۔ محمد اسمعیل راجپوت

اسی طرح جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے ناظم اعلیٰ جناب مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ العالی نے مسلک امام ربانی کے اس تحقیقی دیباچے کو دیکھا تو بے ساختہ پھر ک اٹھے۔ ۳۱ مارچ ۱۹۷۲ء کو انھوں نے اپنے تاثرات ان لفظوں میں قلمبند کر کے ارسال فرمائے۔

”حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی اور مجدد مائتہ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہا مسلمانوں کے قابل قدر و سرمایہ افتخار بزرگ ہیں۔ دونوں ہی حضرات نے اپنے اپنے وقت میں اللہ اور رسول (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی محبت سے سرشار ہو کر ایسے مبتدعین و مفسدین کی مساعی کا سدباب کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذار نہ کیا جو اللہ اور رسول سے مسلمانوں کے تعلق کو کمزور کرنے میں منہمک رہا کرتے تھے۔ مذکورہ دونوں عظیم ہستیوں نے تائید ایزدی کے سہارے اپنے مجددانہ فرائض کی بجائے کسی بادشاہ کی شہنشاہی اور علمائے سوء کے جم غفیر یا ان لوگوں کے بلند بانگ علمی دعاوی کی قطعاً پرواہ نہیں کی۔ انھوں نے ہر مصلحت کو نظر انداز کر کے محض باری تعالیٰ اہل شانہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دین و ملت کی تجدید کا عظیم فریضہ ادا کیا تھا۔

اس واضح حقیقت کے باوجود ملک حسن علی صاحب شرق پوری نے عجیب ہوشیاری سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی فرضی عقیدت کا دامن محکم کر تعلیمات مجددیہ کتاب لکھ ماری جس میں شیخ مجدد کے مسلک کی خود انھنی کی بھولی میں بیٹھ کر تردید و تضحیک کرنی چاہی یعنی حضرت امام ربانی کے مذہب حقہ اہل سنت و جماعت کے بے باک مبلغ و ترجمان امام اہلسنت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو بددین متفقہ بنایا ہے۔ گویا شیخ سمرہندی قدس سرہ کی ریش مبارک پر ماتھ ڈالنے کی

غرض سے ملک صاحب خود اسی سرکار کی گود میں جا بیٹھے ہیں۔
 ہاری تعالیٰ شانہ کی عادتِ کریمہ ہے کہ اپنے خالص بندوں کے
 تنگ و ناموس کی خود حفاظت فرماتا ہے مخالفین اولیائے کرام کے جال کو
 وقت آنے پر تار عنکبوت سے کمزور دکھا دیتا ہے۔ اور اپنے کسی ایسے بندے کو
 کھڑا کر دیتا ہے جو باطل پرستوں کے چہروں پر نام نہاد حقانیت کی پڑی
 ہوئی نقابوں کو بڑے سلیقے سے الٹ کر ان کے حقیقی خدو خصال
 ظاہر کر دے۔

حضرت مجدد الف ثانی اور مجدد مایہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہما کی مبارک
 روحوں کا تصرف و فیضان ہے کہ اس سنت الہیہ کا مظاہرہ جناب اختر
 شاہ جہان پوری کے ہاتھوں ہوا۔ اختر صاحب نے مسلک امام ربانی کتاب
 کے ابتدائیہ میں مکتوبات امام ربانی کے تحت تعلیمات مجددیہ کتاب کی
 تبلیغات کا پوسٹ مارٹم کر دکھایا۔ کمال مہارت اور وسیع النظری سے
 مسلک اہل سنت و جماعت کی حقانیت کو یوں بیان کیا کہ مخالفین کے
 فرار کی ہر گلی بند کر دی ساتھ ہی ملک صاحب کی خیانتوں اور مبتدعینِ زمانہ
 کے خلاف اہل حق پر دوپگینڈے اور اعتراضات و الزامات کو باطل پرستی
 ثابت کر کے خود و ماہیہ کی بے شمار مسلمہ کتب تواریخ کی روشنی میں ان کے
 اکابر کی اسلام دشمنی، منفرد مؤرخانہ انداز میں دکھائی ہے۔ جس کی نظیر
 اس سے پہلے نظر نہیں آئی۔ بفضلہ تعالیٰ ہمارے اختر صاحب نے دکھا دیا
 ہے اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا۔

ملک حسن علی صاحب شرنپوری اور ان کے مہنواؤں کو اختر صاحب کی
 نگارشات پر ممکن ہے غصہ تو بہت آیا ہو کیونکہ اتنی کامیابی سے وہ امریت کے

رنگ برنگے علمبرداروں کے حقیقی خود و حال کسی سے ظاہر نہیں کیے جاسکے تھے۔ اس صاف و شفاف آئینے کو فریقین کے سامنے رکھ دینا مبتدعین کی نظر میں شاید کھٹکے لیکن اس میں بیچارے اختر شاہ جہان پوری کا کیا قصور؟ یہ تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی غیرت کا تقاضا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قانون کا مظاہرہ ہے جو کلک اختر کے ذریعے منظر عام پر آیا۔ وہابی حضرات اگر تعصب کو چھوڑ کر انصاف سے کام لیں تو انھیں اختر صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیے جنہوں نے ان کے شبہات کو مٹا کر راہ ہدایت دکھادی۔ بہر حال علمائے اہل سنت کے ساتھ راقم الحروف بھی اختر شاہ جہان پوری کی ان نگارشات کے پیش نظر ان کا شکر یہ ادا کرنے پر مجبور ہے۔“

فقط

محمد عبدالقیوم ہزاروی عَفِیْرَہُ

جامعہ حنفیہ اشرف المدارس اوکاڑہ کے شیخ الحدیث، علامہ ابوالبیان، مولانا غلام علی قادری اشرفی مدظلہ العالی نے مسلک امام ربانی کا دیباچہ پڑھا تو اختر شاہ جہان پوری کے نام فوراً خط لکھا اور تحریر نے جو تاثرات ان کے دل و دماغ پر مرتسم کیے انھیں ۱۲ مئی ۱۹۷۴ء کو یوں سپردِ قلم فرمایا:-

”اس کتاب کا دیباچہ یعنی پیش لفظ پڑھنے سے دل باغ باغ ہو گیا۔ علامہ اختر شاہ جہان پوری نے وہابیہ اور دیوبندیہ کی انگریز دوستی اور فرنگی نوازی اور حکومت برطانیہ سے وفاداری کے بارے میں ان حیرت انگیز حقائق کا انکشاف کیا ہے کہ شاید کسی دوسری کتاب میں مجموعی طور پر اتنا

ٹھوس تاریخی مواد ایک جگہ جمع نہ مل سکے میری رائے میں اگر پیش لفظ میں کچھ ترمیم و اضافہ کر کے مستقل کتابچے کی شکل میں شائع کر دیا جائے، تو اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہوگا اللہ تبارک و تعالیٰ جناب مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد و صلی اللہ علیٰ جیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین“

الفقیہ الی اللہ الغنی
علامہ علی قادری اوکاڑوی

عاشق اعلیٰ حضرت رضویت کی منہ بولتی تصویر اور حسانِ پاکستان علامہ اختر الحامدی الرضوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء) نے مسلک امام ربانی کا یہ دیباچہ پڑھا تو حیران رہ گئے اور ہمیشہ کے لیے وہ علامہ اختر شاہ جہان پوری کے ہاتھوں تک گئے۔ ۱۹ جون ۱۹۷۲ء کے گرامی نامے میں دیا چے کے چند صفحات پڑھتے ہی انھوں نے یوں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا:-

”کتاب بہت خوب ہے، بہت ہی خوب اور دیا چہ اس کی روح، میرا خیال ہے کہ یہ دیا چہ علیحدہ بھی کتابی شکل میں شائع ہو جائے تو بہتر ہے کہ کم قیمت پر ہر غریب خرید سکے اور فائدہ اٹھا سکے۔ آپ کی تحریر کیا ہے غضب، قیامت، کیا روانی ہے؟ کیا سلاست ہے اور اس کے ساتھ ہی حسن استدلال، سبجان اللہ۔ یقین جانے مجھے تو آپ کی تحریر پر رشک آتا ہے۔ یہ کرسی کے بس کی بات نہیں۔ تانہ بخشہ خدائے بخشندہ“

اختر الحامدی الرضوی

صاحب دیباچہ نے گزارش کی کہ حضور والا تعریف و توصیف تو مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی آپ تنقیدی نظر سے دیکھیں اور احقر کو غلطیوں سے مطلع فرمائیں تاکہ میری اور دیباچے کی اصلاح ہو جائے۔ اس کے جواب میں علامہ اختر الہامدی الرضوی نے یکم جولائی ۱۹۶۲ء کے گرامی نامے میں فرمایا:

”آپ کا پیش لفظ تعریف سے بے نیاز ہے تنقید؟ چہ خوب! آپ نقاد کو قلم رکھنے ہی کب دیتے ہیں؟ اور اس میں خامیاں ہیں کہاں؟ گستاخی معاف اگر کتاب سے پیش لفظ کو علیحدہ کر دیا جائے تو کتاب کی معنوی خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے۔ کتاب کی جان جناب کا دیباچہ ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس دیباچہ کو علیحدہ بھی شائع کیا جائے۔ جناب کے دیباچے کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بھی بہت بڑے مقدمہ باز ہیں۔ یعنی اپنے دور کے سب سے بڑے مقدمہ نویس۔ مقدمہ نویسی کے فن پر آپ کو مکمل عبور حاصل ہے۔ اور آپ کی گرفت اس پر مضبوط ہے۔“

اللہ کرے حسن رقم اور زیادہ

کاش کوئی دردمند آپ کے یہ تمام شہ پارے ایک جگہ جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کرادے۔ اے کاش کہ میں لاہور میں ہوتا اور ان کو جمع کر سکتا۔“

دسمبر ۱۹۶۲ء میں مولانا اختر الہامدی الرضوی کو معلوم ہوا کہ ان کے نعتیہ مجموعہ کلام نعت محل کا دیباچہ بھی مولانا مظفر اقبال صاحب اختر شاہ جہان پوری صاحب سے لکھوا رہے ہیں۔ معلوم ہونے پر انھیں بے حد مسرت ہوئی اور ۴ جنوری ۱۹۶۵ء کے مکتوب گرامی میں

انہوں نے یہ بھی فرمایا :-

”مولانا مظفر اقبال صاحب نے دیباچہ کے لیے آپ کا انتخاب فرما کر ذہانت کا ثبوت دیا نہ صرف پنجاب بلکہ پاکستان میں (بلا مبالغہ) آپ سے بہتر ہم غریبائے اہل سنت میں کوئی اس قدر زود نویس اور مدلل لکھنے والا مجھے تو نظر نہیں آتا۔ مولانا صد مبارکباد کے مستحق ہیں بیماریوں کا کیا ہے؟ یہ تو زندگی کے ساتھ ہیں آپ کو ہم ہتھیار رکھتے نہیں دیں گے۔ ہماری فوج میں عالمانہ ہتھیار تو سب کے پاس ہیں لیکن صرف ہتھیار جسم پر سجانے سے تو کام نہیں چلتا، جو انگریزی اور دلیری کی بھی ضرورت ہے۔ کو جواب دینے کے لیے آپ سے بہتر بہادر، دلیر، جو انگریز، اہل قلم یقین جاننے کوئی بھی تو نہیں۔ دل چھوٹا نہ کیجیے ان کے خلاف لکھتے رہیے۔ یقین جانئے کہ بزرگانِ دین اور حضور سیدنا اعلیٰ حضرت کی مدد آپ کے ساتھ ہے۔ آپ کی پشت پناہ ہے۔ لکھتے رہیے شب و روز لکھتے رہیے۔“

حیدرآباد (سندھ) کی معروف دینی درسگاہ احسن البرکات کے ناظم اعلیٰ علامہ خلیل احمد خاں قادری مدظلہ العالی کے فرزند ارجمند، مولانا احمد میاں حافظ البرکاتی مدظلہ نے ترجمان اہلسنت کراچی میں کتاب مسلک امام ربانی پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے اس دیباچے کے متعلق یہ بھی لکھا :-

”کتاب کے شروع میں محترم مولانا اختر شاہ جہان پوری مظہری کا تحریر کردہ سو سے زائد صفحات پر مشتمل پیش لفظ ہے جو بجائے خود ایک مدلل اور

محقق رسالہ ہے۔ اختر صاحب موصوف نے پیش لفظ میں ملک حسن علی اور ان کی تعلیمات مجددیہ کی جس شاندار طریقہ پر وہجیاں بکھیری ہیں وہ لائق صد تحسین ہے۔ فاضل موصوف نے مختصر طریقہ پر میرہ مقامات شمار کرا کے ملک حسن علی صاحب سے سوالات کیے ہیں کہ کیا دیوبندوں کے اکابرین کے یہی عقائد ہیں جو حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں بیان فرمائے ہیں۔ اس کے برعکس ملک صاحب کے دیوبندی اکابرین کے عقائد یکسر طور پر حضرت مجدد کے بیان فرمودہ عقائد سے مختلف ہیں لیکن پھر بھی تعلیمات مجددیہ کے مصنف ملک حسن علی صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ حضرت مجدد کی تعلیمات اور دیوبندیوں کی خرافات ایک ہی ہیں۔ اس پر بس نہیں بلکہ مصنف نے موجودہ اہلسنت وجماعت اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں تضاد ثابت کرنے کی مشق فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر ملک صاحب لکھتے ہیں: ”مولانا احمد رضا خان بریلوی نے جو بریلوی حضرات کے نزدیک دور حاضر کے مجدد ہیں اور جنہیں حضور پر نور، اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، عظیم المرتبت، مجدد مائتہ حاضرہ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے برعکس بدعات کی خوب تلقین کی بلکہ اس کی نشر و اشاعت کے لیے اپنی زندگی وقف رکھی۔“ مولانا اختر شاہ جہان پوری نے اس قسم کے تمام لغو و باطل اعتراضات کا مفصل اور مدلل جواب اپنے انوکھے اور نرالے قلم سے احسن طریقہ پر اس پیش لفظ میں دیا ہے۔ جو اپنی مثال آپ ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ اہل حدیث، دیوبندی، نیچری، مرزائی، منکرین حدیث وغیر برٹش گورنمنٹ کے دور کی پرفتن یا دگاری میں جملہ مبتدعین اپنے روزاقل ہی اہل سنت و

وجہاقت سے انگریزوں کی ہدایت کے مطابق برسر پیکار چلے آ رہے ہیں اور اپنی ناپاک کرتوتوں سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کے لیے اہلسنت و جاعت کو مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا جاری کردہ فرقہ بتاتے رہتے ہیں۔
اختر صاحب نے لکھا ہے :-

حقیقت یہ ہے کہ متحدہ ہندوستان میں فرقہ سازی اور گروہ بندی کا سنگ بنیاد انگریزوں نے مولوی محمد اسماعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) سے رکھوایا۔ الغرض یہ کتاب یکساں طور پر ہر شخص کے لیے انتہائی مفید ہے۔ مکتبہ حامدیہ نے اسے طبع کر کے ایک بہت بڑی ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔ کتاب کی اشاعت پر فاضل مصنف اور اختر شاہ جہان پوری مبارکباد کے مستحق ہیں جیسی کتاب کی تزئین خوب صورت ہے اسی طرح ہر لحاظ سے مضمون نہایت حسین و جمیل خصوصاً اختر شاہ جہان پوری کا دیباچہ قابل مطالعہ اور لائق داد ہے۔“ ۱۵

منڈی پور یوالہ کے خطیب اعظم علامہ شبیر احمد ہاشمی مدظلہ نے کتاب مسلک امام ربانی اس دیباچے کے ساتھ پڑھی تو بے حد متاثر ہوئے اور مکتبہ حامدیہ مولانا انوار الاسلام قادری رضوی مدظلہ کے نام ۱۲ جولائی ۱۹۷۲ء کو خط لکھا اور اس میں دیباچے کے متعلق یوں اپنے تاثرات بیان کیے۔

” اس کتاب مسلک امام ربانی کے آغاز میں پیش لفظ کے عنوان سے

۱۵ ترجمان اہلسنت، کراچی، بابت اگست ستمبر ۱۹۷۲ء ص ۱۱۴ تا ۱۱۶

۱۰۹ صفحات کا جو مقالہ حضرت عبدالحکیم خان صاحب اختر شاہ بھہا پوری نے قلمبند فرمایا ہے۔ وہ تو اپنی مثال آپ ہے یعنی کتاب اگر جسم ہے تو اختر صاحب کا پیش لفظ جان ہے۔ اختر صاحب نے خانوادہ توہین رسول کے تمام مکائد کو علمی اور ادبی انداز میں جس طرح لتاڑا ہے اور ان کے استدلال و استنباط کی جس طرح چھقاڑ کی ہے باید و شاید۔ حضرت اختر صاحب نے حدیث مجدد سے استدلال فرما کر حضرت مجدد الف ثانی اور مجدد مائتہ حاضرہ اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کے کارٹائے نجدیدین کو مختصر اور جامع الفاظ میں سمویا بھی ہے۔ انخیار سے دفاع بھی کیا اور عقائد حقہ، اہلسنت و جماعت کو مہرہن بھی فرمایا ہے۔

اس پیش لفظ کو پڑھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اختر شاہ بھہا پوری محض ایک نعر گو شاعر ہی نہیں ایک صاحب طرز قلم کار اور صاحب علم محقق اہلسنت بھی ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت موصوف کے رگ وریشہ میں رچی بسی ہوئی ہے۔ اختر صاحب کے قلم کو رضا کے فیض سے خنجر خوشوار اور برق بار کہا جائے تو مبالغہ نہیں، ان کے اور اہلسنت کے اعداء نے تعلیمات مجددیہ کے نام سے خیبر کو چیلنج کیا اور شر کو ابھارا تو اختر صاحب کے قلم نے شر کو ٹھکانے لگایا اور خیبر کا دفاع کیا۔

اختر صاحب کے قلم کی رعنائی اس لحاظ سے بھی دیدنی ہے، کہ وہ دینی اعداء اور دشمنان اہل سنت کے درون خانہ سے خاصی ^{تفصیلت} رکھتے ہیں۔ مجھے پیش لفظ پر پیش لفظ لکھنا مطلوب نہیں ورنہ میں اختر صاحب کی عبارات کی ادبی، فنی اور دینی معلومات کی گہرائیوں کو ملک ترتیب میں

پر وکرو واضح کرتا۔ میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال حضرت موصوف پر اپنا فضل و کرم اور اپنے حبیب انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر عنایت دائم و قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام

شبیر احمد ہاشمی غفرلہ

۱۹۷۵ء میں مکتبہ فریدیہ ساہیوال کی معرفت الصوارم الہندیہ نامی کتاب دوبارہ منظر عام پر آئی۔ حافظ نعمت علی صاحب نے اس کتاب پر محترم اختر شاہ جہاں پوری سے دیباچہ لکھوایا تھا جب یہ عدیم المثال دیباچہ انجن رضائے مصطفیٰ اچنیوٹ کے ناظم اعلیٰ جناب محمد اسماعیل راجپوت صاحب نے پڑھا تو ۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو خط لکھتے ہوئے اپنے تاثرات سے یوں مطلع فرمایا:-

دوسرا مسنون کے بعد کتاب الصوارم الہندیہ میں جناب کا تحریر کردہ پیش لفظ بغور مطالعہ کیا اور اتنا متاثر ہوا کہ مذکورہ تحریر شامان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شمشیر بے نیام ہے جس کے آگے ہر گستاخ کے دلائل گاجرمولی کی طرح کٹتے نظر آ رہے ہیں اور دوسری طرف اس تحریر میں ایک ایسا چیلنج اور تعاقب ہے جس طرح شمشیر بے نیام کے آگے ٹوٹے باں دم دبا کر راہ فرار اختیار کیے جا رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے عام فہم انداز میں سنی عوام کو راہِ حق پر گامزن کیا ہے۔ آپ کے قلم میں جہاں تلوار کی سی کاٹ ہے۔ وہاں پر دلائل و براہین کے وہ موتی بکھرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں کہ سبحان اللہ! آپ کا قلم ادب کی رفعتوں کو چھو کر گستاخانِ مجدد برحق امام المہدیت، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے پیچھے بھیرے ہوئے شیر کی طرح دوڑتا ہے۔ ایک ایک کو چن کر اور ہر بہتان تراش کے لیے یوم حساب پیدا کر دیتا ہے۔

آپ نے اس تحریر میں توحید کے نام نہاد ٹھیکیداروں کی بے ہودہ الزام تراشیوں اور بہتانوں کو فضائے آسمانی میں ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیا ہے خصوصاً آپ نے سرفراز گلگھڑوی کا خوب پوسٹ مارٹم کیا ہے اور اس کی بددیانتی کا ایسا نوٹس لیا ہے کہ قلم کی عصمت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے تحریر میں موجودہ حالات اور دور حاضرہ کے تقاضوں کے پیش نظر ایک اہل قلم کا کردار اس خوبی سے سرانجام دیا ہے کہ ہر سنی کا سر فخر سے بلند ہے۔ لہذا بندہ ان حقیر سے جذبات اور احساسات کے ذریعے آپ کی خدمت میں بدیہ تبریک پیش کرتا ہے اور عرض کیے بغیر نہیں رہ سکا کہ

ع۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

اور ساتھ ہی بندہ آپ کے قلم کی جولانیوں اور روانیوں کے لیے بارگاہ الہی میں دعا گو ہے کہ رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قلم کو فرید قوت اور بہت عطا فرمائے آپ کی ذات سنیوں کے لیے باعث فخر ہے۔ اور آپ کا قلم مخالفین اہل سنت کے لیے شمشیر بے نیام ہے۔ لہذا بندہ کے ان حقیر سے جذبات کو بطور تبریک قبول فرمائیں۔ اور اپنے قلمی جہاد کو اسی طرح جاری رکھیں خداوند کریم آپ کا حامی و ناصر ہو۔

فقط والسلام

طالب دعا۔ محمد اسماعیل راجپوت

مولانا اختر حامدی الرضوی رحمۃ اللہ علیہ نے الصوارم الہندیہ اور رسائل رضویہ جلد دوم پر لکھے ہوئے اختر صاحب کے دیباچے پڑھے تو ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو اختر شاہ جہا پوری

کے نام خط لکھا اور اپنے تاثرات کو اس کے اندریوں سپرد قلم کیا تھا۔
 ”تاخیر کا سبب حضور کے دیباچوں کا عمیق مطالعہ ہے، پڑھا، پھر پڑھا،
 پھر پڑھا اور اب تک جی نہیں بھرا ایک ایک حرف پر زبان سے واہ اور
 دل سے دعا نکلتی رہی۔ سبحان اللہ! کیا زور قلم ہے؟ یہ دیباچے حقیقتاً
 ان تصانیفِ عالیہ کی شرح ہیں جن کے مطالعے کے بغیر ایک عام قاری
 ان کی مقصدیت نہیں سمجھ سکتا۔ کاش کہ ہم غربائے اہل سنت کو جن کے
 ہاں اچھے لکھنے والوں کا قحط ہے، آپ جیسے دوچار لکھنے والے اور مل
 جاتے۔ بلا مبالغہ آپ پاکستان کے ارشد القادری ہیں۔ اور یہ الفاظ لکھتے
 وقت میرا سر فخر سے بلند ہے۔ افسوس کہ حضور نے تا حال اپنے دیباچے
 مقدمات اور مقالات یکجا کر کے احقر کو عنایت نہیں فرمائے۔ تاکہ احقر بھی
 اپنے دل کے حوصلے نکال سکتا۔ مولیٰ تعالیٰ حضور کو مذہبِ حق، الہدیت
 جماعت کے لیے تادیر زندہ و سلامت رکھے اور جملہ افکار و حوادث
 سے محفوظ داما مون“

موصوف نے اسی ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو مکتبہ حامدہ لاہور والے مولانا انوار السلام
 صاحب کے لیے بھی خط لکھا جنہوں نے رسائلِ رضویہ جلد دوم کتاب چھاپی تھی اور جن کی
 معرفت علامہ اختر شاہ جہان پوری کی نگارشات منظرِ عام پر آرہی تھیں اسی خط میں انہوں نے
 اختر شاہ جہان پوری کے متعلق فرمایا:-

”اس کتاب (رسائلِ رضویہ، جلد دوم) کے ساتھ حضرت علامہ مدظلہ نے
 الصوارم الہندیہ مطبوعہ مکتبہ فریدیہ کی ایک جلد بھی ارسال فرمائی ان دونوں

حضرت موصوف کے مرقومہ دیباچے پڑھ کر طبیعت باغ باغ ہو گئی تو دیا چھے
کیا میں کتاب کی شرح ہیں ایک ایک حرف پر واہ واہ زبان سے ادا ہوتا رہا
اور دل سے دعائیں نکلتی رہیں میں بلا مبالغہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ
مولیٰ تعالیٰ نے ہم پاکستان کے اہلسنت وجماعت کو ایک ارشد القادری،
اختر شاہ جہاں پوری کے لباس میں مرحمت فرما دیا ہے۔

تحریر میں سادگی کے ساتھ وہی بانگین، الفاظ کا ایسا رکھ رکھاؤ
جیسے موتی جڑوے ہوں ان دونوں دیباچوں میں حضرت علامہ موصوف
اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گریں۔ اگر اب بھی ہم انھیں رئیس التحریر
اور امام القلم تسلیم نہ کریں۔ تو یہ حضرت قبلہ کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ مولیٰ
تعالیٰ انھیں خدمتِ دین متین اور مجھ جیسے لوگوں کی رہبری کے لیے تادیر
زندہ سلامت رکھے آمین۔“

ستہ ظریفی:

قارئین کرام! آپ نے محترم اختر شاہ جہاں پوری کی اپنوں میں پذیرائی اور مقبولیت
کا اندازہ تو کر لیا ہوگا۔ جبکہ طوالت کے خوف سے ہم نے بے شمار تاثرات اور تبصروں
میں سے صرف چند ہی پیش کیے ہیں اور وہ بھی ابتدائی دو دیباچوں کے بارے میں۔
یہاں قارئین کو ایک بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ یہ اختر صاحب کا اصل کام نہیں ہے کیونکہ
اسے منظر عام پر لانے کی توسیعی ناشرین نے آج تک ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی ہے۔
نہ سنیوں کو ان سے کما حقہ استفادہ کرنے دیا اور نہ ان کی حوصلہ افزائی کے لیے خاطر خواہ
قدم بڑھایا۔ بلکہ بعض حضرات نے اپنی بساط کے مطابق حوصلہ شکنی میں کوئی دقیقہ
فرو گذاشت نہ کیا۔

کیا یہ حیرانی کی بات نہیں کہ جس نے دو درجن کے قریب تحقیقی کتابیں لکھیں اور ایک درجن کتابوں کے ترجمے کر دیے ہوں اس کے اتنے کام سے تیرہ سالوں (۱۹۶۵ء تا ۱۹۸۱ء) میں منظر عام پر صرف چار کتابیں آئیں۔ یعنی ایک مقالہ، ایک تصنیف اور دو ترجمے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

☆ ۱۔ اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام۔

شائع کردہ مرکزی مجلسِ رضالہ ہور ۱۹۶۱ء

☆ ۲۔ ترجمہ جواہر البجار، جلد اول

شائع کردہ مکتبہ حامدیہ، گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۶۵ء

☆ ۳۔ تجلیات امام ربانی

شائع کردہ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۶۸ء

☆ ۴۔ ترجمہ کتاب الشفاء، جلد اول

شائع کردہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۶۹ء

ان حالات میں بیچارہ اختر شاہ جہان پوری اس کے سوا اور کیا کرتا کہ اپنے ناشرین کی بے حسی کا ماتم کرتا ہوا دیباچے لکھنے پر اکتفا کرے تاکہ میدان میں بھی قائم رہے اور کم از کم اپنے قارئین کو مایوس نہ ہونے دے۔ یہ اختر صاحب کے عزم و استقلال اور خدمتِ دینِ متین کے والہانہ ذوق کی ایسی مثال ہے جس کی اس دور کے اندر شاید انپول میں کوئی مثال نہ مل سکے۔ ۱۹۸۰ء کے آخر میں جب کئی سالوں کے بعد اختر صاحب سے ملاقات ہوئی اور راقم الحروف ان حالات پر مطلع ہوا تو انہوں کی بے بسی کے باعث ایسے گوبر آبدار کی بے قدری کا بڑا صدمہ ہوا۔

۲۔ علاوہ بریں ۱۹۶۹ء میں جبکہ مرکزی مجلسِ رضالہ ہور گھٹنوں چل رہی تھی تو

اراکینِ مجلس کا ارادہ ہوا کہ ہم انوارِ رضا کے نام سے ایک تحقیقی مجموعہ منظرِ عام پر لائیں جس میں

ایسے مضامین ہوں کہ ان سے اعلیٰ حضرت کے حالات و کمالات کے مختلف پہلو اجاگر ہو جائیں اور ان کے متعلق پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کر کے بظاہر کوشش کی جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر پاک و ہند کے مختلف علمائے کرام کی خدمت میں خطوط ارسال کر کے ان سے معلوماتی مضامین مانگے گئے لیکن ان حضرات نے مایوسی کے سوا اور کین مجلس کو کچھ اور نہ دیا۔

مذکورہ صورت حال بڑی حوصلہ شکن تھی۔ لیکن آفرین ہے اختر شاہ جہان پوری کی ہمت مردانہ کو کہ انھوں نے خیالی دنیا میں تعمیر کیے ہوئے مجلس ہذا کے محل کو مسامحہ ہونے دیا۔ اور مختلف موضوعات پر امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آٹھ مقالوں کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھالیا۔ کم از کم میں یہ معلوم کر کے حیران رہ گیا کہ ۱۹۷۰ء کے ختم ہونے سے پہلے اختر صاحب نے وہ آٹھوں مقالے مکمل کر لیے اور ان میں سے دو مقالوں کے اندر محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ نے کانٹ چھانٹ کر وائی۔ اور شائع کروانے کی غرض سے انھیں دوبارہ لکھوایا گیا۔ یہ بات میں آج تک نہیں سمجھ سکا اور یقیناً ہے بھی میری سمجھ بوجھ سے بالاتر کہ ”مجلس رضا لاہور“ کے تحت فاضل بریلوی پر لکھے ہوئے ان آٹھوں مقالوں میں سے آج تک مرکزی مجلس رضا لاہور نے ایک بھی مقالہ کیوں شائع نہیں کروایا ہے؟

۲۔ مرکزی مجلس رضا، لاہور نے تجلی المشکوٰۃ کے بعد امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر جو سب سے پہلا مقالہ شائع کروایا وہ اختر شاہ جہان پوری کا لکھا ہوا ہے۔ یعنی اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام۔ اس کی کتابت لسیٹھ پر ہوئی اور منظر عام پر آیا تو اغلاط سے مالا مال تھا جہاں مجلس رضا نے دوسرے مقالوں کے متعدد ایڈیشن شائع کروائے وہاں معلوم نہیں کس مصلحت کے تحت اس مقالے کو غلطیوں سے پاک کر کے ایک دفعہ بھی آفسٹ پر شائع کروانے کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی گئی۔ درحالیٰ

کیا اختر صاحب یہ نہ کہتے ہوں گے ۷

لاؤ تو قتل نامہ ذرا ہم بھی دیکھ لیں

کس کس کی مہر ہے سرِ معضرت لگی ہوئی

۴۔ تین درجن کتابوں سے چار منظر عام پر آئیں جن میں سے دو یعنی ”اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام“ اور تجلیات امام ربانی کتابت کی اتنی غلطیوں سے لبریز ہو کر کہ مفسدہ شہود پر جلوہ گر ہوئیں کہ پاکستان میں شائع ہونے والی شاید کوئی کتاب غلطیوں میں ان کا مقابلہ نہ کر سکے باقی صحیح صورت حال میں رہ گئے صرف دو ترجمے۔ ان میں سے ترجمہ جواہر البحار حیدرآول کے متعلق جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے ایک مدرس جناب حافظ عبدالستار صاحب نے اپنی کتاب ”مرآة التصانیف میں صاف لکھ دیا کہ یہ ترجمہ جامعہ رضویہ فیصل آباد کے شیخ الحدیث علامہ غلام رسول مدظلہ العالی کا ہے اور دیا چہ اختر شاہ جہان پوری نے لکھا ہے اختر صاحب کہتے ہوں گے ۷

خداوند ایہ تیرے سادہ دل بندے کہہ جاؤں

کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

حافظ عبدالستار صاحب کی توجہ اس کارگزاری کی طرف مبذول کرانی گئی تو فرمایا کہ میں نے ایسا ہی سنا تھا عرض کی گئی کہ حضور والا آپ کی تحقیقات کا دار و مدار سنی سنائی باتوں پر ہوتا ہے؟ چلیے جب ایسا ہی سنا تھا تو اب اپنی آنکھوں سے دیکھنا کہ ترجمہ کس کا ہے؟ پھر اٹھیں بتایا گیا کہ مولانا غلام رسول صاحب نے واقعی جواہر البحار کا ترجمہ کیا تھا۔ مولانا انوار الاسلام صاحب نے حیدرآول کی کتابت بھی کروالی تھی جب چند علماء کو دکھایا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ یہ ترجمہ نہیں چلے گا۔ رقم بھی ضائع جائے گی۔ کیونکہ ترجمہ ایک کوڑی کا بھی نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف نے اس کے شائع کروانے کا ارادہ ترک کر دیا اور اسے مسودے کے ساتھ سنبھال کر رکھ دیا اس کے بعد دوستی کے تحت اس عاجز سے ترجمہ کروایا

کیونکہ وہ مشتہر کر بیٹھے تھے۔ راقم الحروف نے ان کے کہنے پر ترجمہ کیا جس کا ایک ایک لفظ میرا اپنا ہے۔ اور ہر فقرہ اس بات کی واضح شہادت دے رہا ہے۔ مولانا انوار الاسلام صاحب کے پاس دونوں ترجموں کے مسودے اور کتابیں دیکھ کر تسلی کر لیا۔ حافظ صاحب نے وعدہ فرمایا کہ اصلاح کر دی جائیگی۔ وعدہ تو کر لیا لیکن اصلاح کہاں سے کرتے جبکہ اس خیانت اور یارکشی کا ارتکاب دانستہ کیا بلکہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت انھیں یہ کرامت دکھانے پر مجبور کیا گیا تھا۔

۱۹۸۱ء کے آخر میں سنی رائٹرز گلڈ کا سالانہ اجلاس ہوا تاکہ ۱۹۸۰-۸۱ء میں پھینے والی کتابوں پر اول، دوم اور سوم انعام دیا جائے۔ اول، دوم اور سوم قرار دینے کے لیے ایک بورڈ تشکیل دیا گیا بورڈ نے فیصلہ سنایا کہ اول انعام اسی *مرأة النصف* کے منصف کو ملنا چاہیے جس نے دیانت داری کا ریکارڈ قائم کرتے ہوئے اتنی بڑی کرامت دکھائی ہے۔

۲۶ مارچ ۱۹۸۲ء کو اختر صاحب نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ سے گزارش کی کہ حضور والا! آپ تو فرماتے تھے کہ مرکزی مجلس رضا کی طرح اب سنی رائٹرز گلڈ بھی میرا ہی نام ہو کر رہ گیا ہے۔ مانا کہ اس شرارت سے آپ کو مطمح نہیں فرمایا گیا ہوگا، جو *مرأة النصف* میں کی گئی لیکن جب کہ راقم الحروف نے محوڑے ہی عرصہ بعد اس سازش کا جناب سے ذکر کر دیا تھا تو اس کے باوجود اصلاح کی بات کو دفن کیوں کیا؟ پھر اس خیانت پر سزا نہیں دی جاسکتی تو انعام کس خوشی میں دیا گیا۔؟ فرمایا گیا یہ اراکین بورڈ ہی بتا سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کا انصاف ”جامعہ نظامیہ“ کے جیوں اور عاموں کے پیچھے دب گیا ہوگا۔

قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

۵۔ کس نے یہ خبر پڑھی یا سنی نہیں کہ ۱۹۶۲ء میں اختر شاہ جہانپوری ایک کتاب "معارف رضا" کے نام سے امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارنامے پر چار جلدوں میں مکمل کر لی ہے جس کی ہر جلد کم و بیش ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ مختلف کتابوں میں اس کا ذکر ہے۔ اخبارات و رسائل نے اسے مشتہر کیا اور ۱۹۶۵ء میں ترجمان اہلسنت، کراچی نے چاروں جلدوں کا علیحدہ علیحدہ تفصیلی تعارف شائع کیا ملک کے گوشے گوشے سے ان کی مانگ ہو رہی تھی۔ کہ شائع ہوتے ہی مطلع کیا جائے۔

مکتبہ حامدیہ والے مولانا انوار الاسلام صاحب نے ۱۹۶۲ء میں معارف رضا جلد اول کی کتابت کروالی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں جلد اول تصحیح سے آراستہ ہو کر پریس کی جانب پر تول رہی تھی کہ مولانا انوار الاسلام صاحب بھی کسی سازش کا شکار ہو کر اختر شاہ جہان پوری سے بگڑ بیٹھے اور کتاب کی اشاعت کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ جب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ کو حضرت مولانا نے ثالث تجویز کیا۔ تو اختر صاحب نے بھی انہیں منظور کرتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ آپ جو فیصلہ کریں مجھے منظور ہوگا۔ حکیم صاحب فیصلے کے لیے ان کی دکان پر تشریف فرما ہوئے تو مولانا مدظلہ نے ان کی ایک نہ مانی اور بیسیوں حضرات کی موجودگی میں دونوں حضرات کی ٹوٹو میں میں پر جب کہ بات ختم ہو گئی۔

رضا پبلیکیشنز والے میاں زبیر احمد صاحب اسی روز معارف رضا، جلد اول کی کتابت خریدنے کے لیے تیار تھے۔ اور اس کے بعد بھی خریدنے کا ارادہ ظاہر کرتے رہے لیکن یہ نہ معلوم نہ ہو سکا کہ آج تک خرید کیوں نہ سکے؟

مکتبہ فریدیہ ساہیوال والے حافظ نعمت علی صاحب بھی اس کتابت کو خریدنے کے لیے تڑپتے پھرتے تھے لیکن خدا بہتر جانے انہیں کس نے روکا یا وہ کیوں رُک گئے؟ مولانا ابوداؤد صاحب کو بھی تحریری یقین دلایا تھا کہ جو فیصلہ آپ کریں اختر شاہ جہانپوری اسے

قبول کرے گا۔ لیکن موصوف نے منصف کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اکثر علمائے کرام خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں معلوم نہیں کیوں؟ بات تو صرف اتنی ہے کہ کتاب شائع ہو جاتی جس کے باعث مصنف کی حوصلہ افزائی ہوتی اور قارئین کو اس سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا۔ علوم و معارف کا یہ خزانہ آج تک زندہ درگوش ہے۔ یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس ستم ظریفی کو کیوں روارکھا گیا؟ کہیں یہ کوئی متفقہ و مشترکہ سازش تو نہیں؟ خدا جانے ایسا کرنے والوں کو اس میں دارین کی کون سی جھلائی نظر آئی اور اس سے مسلک کو کیا فائدہ پہنچا؟

۴۔ ۱۹۷۶ء میں المیزان، بمبئی کا امام احمد رضا نمبر شائع ہوا۔ اس کے اندر ان کتابوں کی فہرست بھی پیش کی گئی جو امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر لکھی گئی تھیں المیزان والوں کو ان کتابوں سے مطلع کرنے والے پاکستانی حضرات تھے۔ جو اختر شاہ جہان پوری کو اچھی طرح جانتے ہیں قارئین کو اس بات پر حیرت ہوگی کہ اس فہرست کے اندر بعض ان کتابوں کو بھی شامل کیا گیا۔ جن کا اس وقت تک ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا تھا۔ بلکہ زیر غور ہوں گی۔ لیکن معارف رضا کی چار جلدوں کو اس فہرست میں شامل کرنا غالباً مناسب نظر نہ آیا ہوگا۔ حالانکہ یہ بات بھی ان کے علم میں تھی کہ جلد اول کی کتابت بھی ہو چکی ہے۔ اختر صاحب نے اس سلسلے میں المیزان والوں کے لیے خط لکھا تھا جو المیزان بمبئی، بابت مارچ، اپریل ۱۹۷۵ء کے صفحہ ۴۴ اور ۴۵ پر شائع ہوا تھا۔ اپنے اس مکتوب میں اختر صاحب نے اس بات کا ذکر یوں کیا ہے۔

”دوسری بات جس پر میں حیران ہو کر رہ گیا یہ ہے کہ اس مبارک مجموعے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر لکھے ہوئے چند صفحات کے کتابچوں کا ذکر بھی ہوا اور وہ کتابیں بھی فہرست میں شامل نظر آئیں جن کا ایک لفظ ابھی لکھا ہی نہیں گیا۔ لیکن اس لمبی چوڑی فہرست میں اگر کسی کتاب کا

نام نظر نہیں آیا تو وہ چار ہزار صفحات پر مشتمل ننھی منی سی کتاب معارف
رضایہ ہے۔ جن حضرات نے ان کتابچوں اور فیلڈوں کو اس فہرست میں شامل
کروایا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ انھوں نے معارف رضا کا ذکر نہ کرنے میں
سنیوں کی کیا بہتری سمجھی؟“

بہر حال اختر صاحب کے ساتھ اپنے ہی بعض علماء نے وہ ناروا سلوک کرنا بھی
ضروری سمجھا جو قطعاً ان کی شان کے شایان نہ تھا۔ اور نہ اختر صاحب ہی ایسے سلوک کے
مستحق تھے یقیناً اس یار کشتی اور برادران یوسف والے سلوک سے جہاں اختر صاحب
کے دل کو دکھ پہنچتا رہا ہوگا۔ وہاں ایسے مہربانوں نے مسلک کو نقصان پہنچایا۔ حالانکہ
اختر شاہ جہان پوری جیسا قلم کا دھنی آج کسی زندہ جماعت میں ہوتا تو اسے سر آنکھوں پر
جگہ ملتی۔ اور اس کی شہرت کے آسمان میں چار چاند لگے ہوتے۔ موصوف کے ساتھ اپنے
ہی بعض ساتھی جو نامناسب سلوک کرتے آئے۔ جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہم نے
کیا اور ایک ملک ساخا کہ پیش کر دیا ہے۔ اس کے باعث اختر شاہ جہان پوری ہی
کا یہ شعر بار بار یاد آتا ہے۔

دوستوں نے جب ہمیں الفت کی دی اتنی سزا
دشمنوں کی سب جفاؤں کا گلہ جاتا رہا

کچھ شگفتہ تذکرے:

اختصار کے ساتھ ملک اختر کے بارے میں گذشتہ سطور کے اندر کافی لکھا جا چکا
ہے۔ اب ہم اپنے درویش صفت، صوفی منش، قناعت پسند اور اعلیٰ کلمۃ الحق کے
شیدائی قلم کار کی سیرت کے بارے میں چند واقعات پیش کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔
، فروری ۱۹۶۶ء کو موصوف کے دوسرے صاحبزادے غلام مرتضیٰ کا انتقال ہو گیا اختر صاحب نے

اس کی یاد میں ایک مرثیہ لکھا جو ماہنامہ ترجمان المسنت، کراچی نے جون ۱۹۷۶ء کے پرچے میں شائع کیا مرثیہ کے یہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

خادمِ دین بن کے ابھریں یہ ہے بچوں کے عرض
ورنہ یوں تو ہر کوئی اتار رہا، جاتا رہا
صاحبانِ علم و عرفانِ مصلحت کا ہیں شکار
حفظِ دین کا اب دلوں سے حوصلہ جاتا رہا
آج وہ نکتے کہاں ہیں دل نواز و نشیں
بلبلیں سب اڑ گئی ہیں چھپ چھپا جاتا رہا
مسندِ ارشاد پر کتنے ہی فائز اب بھی ہیں
شیخِ سرہندی کا لیکن ولولہ جاتا رہا
کامیاب اپنے مشن میں ہو گئے تخریب کار
وائے اک اک نائِبِ احمد رضا جاتا رہا
یا الہی کلکِ اختر کو بنا کلکِ رضا
دشمنانِ دین نہ یہ سمجھیں رضا جاتا رہا

غالباً ۱۹۷۳ء کی بات ہے کہ مکتبہ نبویہ لاہور والے، امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ جناہ اللہ عدوہ شائع کروانے والے مکتبے۔ کتابت کروالی تھی ایک روز صاحبزادہ اقبال احمد صاحب فاروقی نے اختر صاحب سے فرمایا کہ اس رسالے کا دیباچہ دو تین جید علمائے کرام لکھ رہے ہیں آپ بھی اس کا دیباچہ لکھ دیں۔ تاکہ جس کا دیباچہ زیادہ بہتر ہو اسے ساتھ لگا دیا جائے۔ چونکہ اس کی تہہ میں اور ہی جذبہ کار فرما ہوتا ہے لہذا اختر صاحب نے جواب دیا کہ جناب اگر میرے دیباچے کو صحتی طور پر شامل اشاعت کرنے کا وعدہ کیا جائے اور بغیر کسی تبدیلی کے تو میں لکھنے کے لیے تیار ہوں فاروقی صاحب ایسا

وعدہ کرنے کے حق میں نہ تھے لہذا بات اسی مرحلے پر ختم ہو گئی۔
 چند روز کے بعد فاروقی صاحب دکان پر بیٹھے ہوئے اسی رسالے کی پروف ریڈنگ
 کر رہے تھے۔ کہ ایک وہابی مولوی صاحب تشریف لے آئے پوچھا
 ”کون سی کتاب کی تیاری ہو رہی ہے؟“

فاروقی صاحب نے کتاب کا نام بتایا تو مولوی صاحب کہنے لگے :-
 ”فاروقی صاحب! اب تو مان لیجیے کہ آپ کے اعلیٰ حضرت انگریز کے
 ایجنٹ تھے۔ اس رسالے میں فلاں فلاں کو تو بساط بھر خوب رگڑا ہے
 لیکن اپنے پیر بھائی مرزا غلام احمد قادیانی کے رد میں ایک لفظ بھی نہیں
 کہا۔“

چند روز کے بعد دورانِ ملاقات موصوف نے یہ واقعہ اختر صاحب کو بتایا اور یہ
 بھی واضح کر دیا کہ ادھر ادھر کی باتیں بنا کر میں نے مولوی صاحب کو ٹر خا تو دیا لیکن میرے
 پاس اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہ تھا۔ اختر صاحب نے فرمایا کہ حکم ہو تو دیا چے میں
 اس اعتراض اور دیگر کتنے ہی اعتراضات کا جواب ہو جائے گا۔ دیا چے کی بات اس مرحلے پر
 بھی فاروقی صاحب نے منظور نہ فرمائی اور دیا چے کے بغیر سالہ چھپ گیا۔
 کتاب چھپ جانے کے قریب ایک ماہ بعد کی بات ہے کہ دس بارہ علمائے کرام
 مکتبہ حامدیہ، لاہور میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں فاروقی صاحب اور مفتی اعجاز ولی خان
 رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے کہ اختر صاحب بھی اچانک آ پہنچے، دورانِ گفتگو فاروقی صاحب نے
 اختر صاحب سے کہا کہ جناب وہ کتاب چھپ گئی ہے لہذا اب تو بتا دیجیے کہ اعلیٰ حضرت
 نے اس کتاب میں مرزا صاحب کے متعلق کیوں ایک لفظ بھی نہیں کہا؟ اختر صاحب نے
 جواب دیا کہ قبلہ مفتی صاحب یہاں موجود ہیں۔ ان سے بہتر اور کون بتا سکے گا؟ چنانچہ
 سب مفتی صاحب کی جانب متوجہ ہو گئے۔ تو قبلہ مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا بات یہ ہے کہ

دورانِ تصنیف سرکارِ اعلیٰ حضرت نے جس جس کی جانب توجہ مبذول فرمائی، اسے رگڑتے چلے گئے۔ قادیانی دجال کی جانب توجہ مبذول نہ فرمائی ہوگی اس لیے اس ملعون کے متعلق کچھ ارشاد نہ فرمایا۔

فاروقی صاحب بے باک قسم کے انسان واقع ہوئے ہیں۔ لہذا فوراً کہا کہ حضرت اس جواب سے تو اعتراض اور بھی مستحکم ہوتا ہے۔ آخر سب نے اختر صاحب کو جواب کے لیے مجبور کیا تو فرمایا:-

”دوستو! بات یہ ہے کہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رسالہ ۱۲۱۴ھ / ۱۸۹۹ء میں لکھا اور مرزائے قادیان نے نبوت کا دعویٰ دو سال بعد ۱۲۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں کیا۔ دریں حالات دو سال پہلے اعلیٰ حضرت اس کے خلاف کیا لکھتے؟“

جواب حقیقت پر مبنی اور لا جواب تھا لہذا سب نے محسوس کیا کہ فاضل بریلوی کے معاملے میں آج اختر شاہ جہان پوری سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اس بکتے میں آٹھ دس علمائے کرام بیٹھے مصروف گفتگو تھے جن کے درمیان اختر شاہ جہان پوری بھی موجود تھے، ایک مولوی نے فرمایا کہ یارو! پہلے داتا دربار پر چاضری دینی چاہیے۔ اور سلام عرض کرنے کے بعد پھر یہاں آکر باتیں کریں گے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن اختر صاحب بیٹھے رہے۔ پوچھا گیا کہ حضرت آپ نہیں چلتے تو جواب نفی میں تھا۔ اصرار پر بھی نفی میں ہی جواب دیتے رہے۔ تو سب کو حیرانی ہوئی وضاحت طلب کی تو گول مول لفظوں سے ٹرختے رہے۔ زیادہ اصرار دیکھا تو فرمایا:-

”مولانا! کہیں چور بھی عدالت میں خود پیش ہوتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش کی کمائی دن و نائے ہماری آنکھوں کے سامنے لٹ رہی ہے اور ہم

اپنے فرض سے غافل ہیں، داتا صاحب ہم سے راضی نہیں بلکہ ناراض ہوں گے اور حاضری کے وقت اگر ہمارے سر پر جوتے کھڑکانے لگے تو کیا بنے گا؟ آپ نے اگر اپنا فرض ادا کیا ہے تو جائیں لیکن یہ چور اس اتنے بڑے حاکم کی بارگاہ میں جانے کے قابل نہیں ہے۔“

مولوی صاحبان یہ جواب سن کر حاضری دینے چلے گئے۔ اور اختر شاہ جہان پوری اسی طرح اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔

یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس جواب سے مولوی صاحبان کو اپنا فرض ادا کرنے کا احساس ہوا یا نہ ہوا لیکن ہمیں اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ بزرگوں کی بارگاہ میں حاضر ہونیسے پہلے ہمارے لیے یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ ہم نے کہاں تک اپنے فرض کو ادا کیا ہے۔ بساط بھرا پنا فرض ادا کرتے ہوئے بزرگوں کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو وہ حضرات اسی محبت سے پیش آئیں گے جیسے والدین اپنے بچے کو گود میں اٹھا لیتے ہیں اور ہماری کارکردگی اگر ان کے لیے اذیت کا باعث بن رہی ہوگی تو خالی حاضری اور سلام کرنا کبھی بھی ان دکھوں کا مداوا نہیں کر سکے گا۔ جنھیں اپنی نااہلی، تن آسانی، فرض سے اغماض اور دنیاوی آرام و راحت کے باعث اپنا مقدر بنا لیا ہوگا۔ ۱۹۶۰ء میں ”مرکزی مجلس رضا، لاہور“ نے ”فتاویٰ رضویہ“ جلد پنجم کو شائع کروانے کا ارادہ کیا اور کتابت کروالی اعلیٰ حضرت کی نقابت پر مفتی شجاعت قادری کے مضمون کو اس کا دیباچہ بنایا گیا۔ بعد ازاں وہ کتابت مکتبہ نبویہ لاہور کو دے دی گئی۔ اس کی تصحیح کا فریضہ اختر شاہ جہان پوری نے انجام دیا تھا۔ مفتی صاحب کے مضمون میں دو عبارتیں قابل اعتراض تھیں۔ جن پر فیض رضا فیصل آباد نے متنہ کیا۔ اختر صاحب کے علم میں یہ بات آئی تو فیض رضا والوں کے لیے ایک طویل خط برائے اشاعت لکھا جو دسمبر ۱۹۶۲ء کے پرچے میں صفحہ ۱۸، ۱۹ پر شائع ہوا۔ مذکورہ خط کے چند فقرے ملاحظہ ہوں۔

چونکہ علمائے اہل سنت کا بورڈ مضامین کو ملاحظہ فرما چکا تھا اور ساتھ ہی
 زیر بحث مضمون کو امتیازی حیثیت کا حامل قرار دیا گیا تھا۔ علاوہ بریں
 مضمون نگار صاحب خود ایک جید عالم اور مفتی ہیں۔ ان وجوہات کے تحت
 اس ناچیز کے قلب میں اس امر کا خطرہ تک نہ گذرا کہ مضمون میں بھی کوئی
 بات خلاف مسلک ہو سکتی ہے۔ بایں وجہ مطمئن ہو کر صرف صحت کتابت ہی
 کی طرف توجہ مبذول رکھی اور تنقیدی نظر سے تو آج تک بھی اس مضمون کو
 نہیں دیکھا تھا۔ ماہِ حال کے فیضِ رضائے بغیضِ رضا آنکھیں کھول دیں
 جن عبارتوں پر گرفت کی گئی ہے۔ راقم الحروف نے بھی مطابقت کرنے
 اور سیاق و سباق کو بغور دیکھنے، ہر امکانی پہلو کو بغور جانچنے کے بعد انھیں
 قابلِ اعتراض اور خلاف مسلک ہی پایا ہے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اس ناچیز کے ذمے اگرچہ صحت کتابت تھی اس کے باوجود عند اللہ اگر کسی بھی طرح
 کی ادنیٰ سے ادنیٰ ذمہ داری احقر پر عائد ہوتی ہے۔ جس میں حسن ظن یا کسی اور وجہ سے
 احقر سے کوتاہی واقع ہوئی ہے۔ تو میری اس غلطی کو باری تعالیٰ شانہ معاف فرمائے
 آمین! اس کے ساتھ ہی یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری خیال کرتا ہوں۔ کہ مفتی شجاعت
 علی صاحب کی ان تحریر کردہ عبارتوں سے احقر قطعاً متفق نہیں ہے اور انھیں رضویت
 کی غلط تصویر اور خلاف حقیقت سمجھتا ہوں کاش ان عبارتوں کو تبدیل کیا جاسکے اور یہ بھی
 مرحلے پر وقار کا مسکہ نہ بننے پائیں۔

مفتی شجاعت علی صاحب بھی ان عبارتوں کے بارے میں ضرور وضاحت فرمائیں۔
 اور احقر کا ناقص سا مشورہ تو یہ ہے کہ انھیں بے جاتا و بیات کے چکر سے بچ کر صاف طور
 پر ان کی اصلاح و تصحیح کی طرف گامزن ہونا چاہیے۔ غلطی پر اصرار کرنے اور اسے دور از کار

تاویلوں کے سہارے درست منوانے کا راستہ بڑا پرخطر ہے جس میں مزید کستی ہی غلطیوں کا سہارا لینا پڑ جاتا ہے اور یہ روش اہل علم حضرات کی شان کے برگزمرگز شایان نہیں اور نہ ہمیں یہ توقع کہ مفتی صاحب جیسے دانش مند حضرات ایسے راستے پر گامزن ہونے کا خیال تک بھی دل میں لائیں گے۔

مکتبہ نبویہ لاہور کے اگر مولانا باغ علی نسیم اور علامہ اقبال احمد فاروقی جبرائیل سے کام لے کر ان خلاف مسلک عبادتوں کو تبدیل کروانے یا کم از کم ہر نسخے کے ساتھ ایک وضاحتی چٹ لگانے کا اعلان فرمادیں تو اس گئے گذرے زمانے میں بھی رضومیت کو اپنی ممتاز عزیز سمجھنے والوں پر ان صاحبان کا یہ عظیم احسان ہو گا۔

اہل اللہ کا یہی شعار ہوتا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں پر اصرار نہیں کرتے اور انھیں دوسرے منوانے کی غرض سے وہ کبھی بھی بے جا تاویلات کے چکر میں نہیں پڑتے۔ تاویلات کے چکر میں انانیت کا مسئلہ پھنساتا ہے۔ جبکہ وہ حضرات انا کو ختم کر چکے ہوتے ہیں۔ موجودہ علمائے دیوبند اگر چاہیں تو اختر صاحب کی اس روش سے سبق کر کے اپنے اکابر کی کفریہ عبادتوں پر آج بھی نظر ثانی کر کے مسلمانوں کو ایک بہت بڑے اندرونی خلفشار سے نجات دلا سکتے ہیں۔ اس موقع پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔

غالباً جولائی ۱۹۷۵ء کا واقعہ ہے کہ دوپہر کے وقت پانچ سات مولوی صاحبان "مکتبہ حادریہ لاہور" میں بیٹھے مصروف گفتگو تھے کہ دس بارہ میل سے سائیکل چلاتے ہوئے عین ساڑھے بارہ بجے اختر شاہ جہان پوری بھی آ پہنچے۔ اتنی شدت کی گرمی میں، عین دوپہر کے وقت اتنی دور سے سائیکل چلا کر آنا، اعلیٰ کلمۃ الحق کا وہ جنون تھا جس نے سب کو بے حد متاثر کیا۔ ابھی اختر صاحب کا پسینہ بھی نہیں سوکھا تھا کہ مولانا شبیر احمد ٹاشمی مدظلہ العالی نے حاضرین سے فرمایا:-

"حضرت علمائے کرام! میں بارگاہ خداوندی میں آج خصوصی دعا کرنا چاہتا

ہوں اور متوقع ہوں کہ آپ تمام حضرات میری دعا پر آمین کہیں گے۔
حاضرین نے وعدہ کیا اور سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ مولانا ماشی
صاحب عرض گزار ہوئے: ”

”یا الہی ہم جملہ حاضرین برضا و رغبت تیرے حضور میں یہ التجا پیش کرتے
ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کی اجتماعی جتنی عمر باقی ہے۔ وہ ہمارے بھائی
مولانا اختر شاہ جہان پوری کو عطا فرمادی جائے۔ تاکہ وہ دینِ متین کی
خدمت کے کام تو آجائے۔“

ایک کے سوا تمام حاضرین نے اس پر آمین کہی۔ کیونکہ اندرونِ خانہ وہ اختر صاحب
کو اپنی شہرت کے لیے خطرے کا الارم سمجھتے تھے۔ ماشی صاحب نے ان سے آمین نہ کہنے
کی وجہ پوچھی تو ہنستے ہوئے فرمایا کہ حضور والا! اگر ہماری سب کی عمریں اٹھیں مل جائیں
تو ان کے کاموں کو دیکھے گا کون؟ دیکھنے کے لیے کم از کم ایک آدمی تو زندہ رہنا چاہیے۔
چند ماہ ہوئے کہ اختر صاحب کے ایک دوست حاجی فیروز الدین صاحب نے
ان سے کہا کہ حضور والا! آپ کو دینی کاموں کی غرض سے اتنی بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے
لہذا سکوٹر خرید لینا چاہیے۔ اگر مجبوری ہے تو کم از کم نئی سائیکل خرید لیجیے اور اس پر اپنی
سائیکل کا دارالعلوم دیوبند کی طرح صد سالہ جشن منا کر بیماری کو چھٹی دے دیجیے فرمایا کہ
حاجی صاحب! اس سائیکل کے برابر موجودہ بزرگوں میں سے اعلیٰ کلمۃ الحق کی خاطر
شاید ہی کسی بزرگ نے پیدل سفر کیا ہو۔ اس بیماری نے گرمی، سردی، رات دن، صبح و
شام، اندھیرے اجالے، وقت بے وقت آنڈھی اور بارش جیسے مواقع پر بھی میرا ساتھ
نہیں چھوڑا۔ دینی کاموں میں مجھے اتنی مدد دی کہ شاید کسی سے نہ بن پڑی ہو۔ اگر یہ
انسان ہوتی تو شاید بزرگی سے کچھ نہ کچھ حصہ پالیتی۔ ایسی خوش نصیب: بابرکت
اور دینی کاموں میں انتھک ساتھ دینے والی چیز کو میں ناقدروں کے سپرد کروں؟

حاجی صاحب! اسے اپنی آنکھ سے نہیں بلکہ میری آنکھوں سے دیکھنا چاہیے۔
 اختر صاحب کا یہ مقالہ ”اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام“ پہلی دفعہ ۱۹۷۱ء میں
 ”مرکزی مجلسِ رضا“ لاہور کے زیرِ استہام منظرِ عام پر آیا۔
 اسی سال ماہنامہ ”حنفی“ فیصل آباد نے اسے تین قسطوں میں پیش
 کیا تھا۔

ماہنامہ المیزان بمبئی کے اعلیٰ حضرت نمبر میں پورا نقل کیا گیا اور شرکتِ حنفیہ
 لاہور والوں نے اسے انوارِ رضا میں پورے کا پورا شامل کیا۔
 اب ۱۹۸۲ء میں ”فرید بک سٹال“ اردو بازار لاہور سے دوسری دفعہ
 آئسٹ پر شائع ہونے لگا ہے۔

شاہجہان پوری صاحب قریباً چار سال یعنی ستمبر ۱۹۸۰ء سے ”فرید بک
 سٹال لاہور کے ساتھ منسلک ہیں اور کتب احادیث کا اردو ترجمہ کر رہے ہیں ۱۲ فروری
 ۱۹۸۱ء سے مختلف امراض کے باعث اگرچہ بڑھال ہیں۔ لیکن گرتے پڑتے مردانہ
 دار کام کر رہے ہیں۔

ان کے اردو ترجموں سے مزین ہو کر صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ اور موطا
 امام مالک منظرِ عام پر آچکیں۔ جبکہ سنن ابوداؤد ترجمہ و حواشی کے ساتھ منظرِ عام
 پر آنے کے لیے پرتول رہی ہے۔ الحمد للہ کہ یہ بھی بڑا کام ہے۔ اور ہمیں امید
 ہے کہ ان کی معرفت حدیث کی اور کئی کتابوں کے اردو ترجمے اہل علم حضرات کو
 میسر آسکیں گے۔ اور علمائے اہل سنت پر تساہل کا جو دھبہ لگا ہوا تھا وہ کافی حد
 تک مٹ جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قدرت نے جہاں اختر صاحب کو بے پناہ قلمی صلاحیتوں سے نوازا ہے وہاں
 سید اعجاز احمد شاہ صاحب کو بھی خدائے ذوالمنن نے اشاعتی وسائل سے مالا مال کیا

ہوا ہے۔ دونوں حضرات ایک دوسرے کی ضرورت تھے۔ جسے وہ خود بھی محسوس کرتے ہوں گے لہذا اب بجا طور پر امید کی جاسکتی ہے کہ اختر صاحب کی جو درجنوں تصانیف زیور طباعت سے محروم ہیں وہ انشاء اللہ تعالیٰ مستقبل قریب میں شاہ صاحب کی معرفت منظر عام پر آجائیں گی۔

وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ

فقیر محمد شعبان نقشبندی عفا اللہ عنہ
لاہور چھاؤنی

۲۱ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ
مطابق ۲۱ جون ۱۹۸۴ء





اعلیٰ حضرت کا فوقی مقام

فقیر اعظم ہندوستان احمد رضا نقوی

مقام فقیرین و شریکستان احمد رضا نقوی



تہمید

عمر ہادر کعبہ وبت خانہ می نالد حیات !
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

ذیل میں دنیائے اسلام کے بطلِ جلیل، چودھویں صدی کے مجدد و فقیہ اعظم یعنی اعلیٰ حضرت
امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ”نقشبہ مقام“ پر کچھ عرض کرنا ہے کیونکہ آپ سچی توحید
درسات کے حقیقی علمبردار اور اسلام کی صحیح ترین تصویر یعنی مقدس حقیقت کے سرگرم مبلغ و
بے باک ترجمان تھے۔

فائزہ قدرت نے آپ کو زبانِ خواص سے اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت اور مجدد
ماتہ حاضرہ کے جلیل القدر القابات سے یاد کرایا۔ آپ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون
۱۸۵۶ء کو بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی نام ”محمد“ اور تاریخی نام ”المختار“ ۱۲۷۲ھ
ہے۔ جہاں مجدد مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ آپ کو ”احمد رضا خاں“ کہتے لیکن خود فاضل
بریلوی قدس سرہ بڑے فخریہ انداز میں اپنے لیے ”عبدالمصطفیٰ احمد رضا خاں“ لکھا کرتے
تھے۔

محافظ تھا جو ناموس رسالت کا زمانے میں

جسے یہ فخر تھا کہ ”ہوں میں عبدالمصطفیٰ“ تم ہو

اعلیٰ حضرت نے خود اپنی تاریخ ولادت آیت ذیل سے نکالی: **أُولَئِكَ كَتَبَ فِي**

تَلْوِيهِمْ إِلَيْكَ وَآيَاتِهِمْ بِرُوحِ مِنَّا ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو فارغ التحصیل

ہو کر منصب افتخار پر فائز ہوئے۔ حالانکہ عمر اس وقت صرف تیرہ سال دس ماہ تھی اور اس وقت

سے آخری دم تک متواتر چوں سال، اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر تن، من، و صحن کی بازی لگائے رکھی
وصال سے چار ماہ دل روزہ پیشتر خود اپنی تاریخ وفات اس آیت کریمہ سے نکالی:-

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَنْبِيَاءٍ مِّنْ قَبْلِهِ ذُكُورًا وَإِيَّاهُ يُرْسَلُ
کے علمی کارناموں کو نہ کا حقہ، محفوظ کیا اور نہ دنیا والوں کو اس نابغہ عصر کی علمی عظمت سے آشنا
کرانے کی زحمت ہی گوارا کی۔ دوسری طرف مخالفین نے اس آسمان علم و عرفان کی طرف وصول
اڑانے میں کوئی گسراٹھا نہیں رکھی۔ مذکورہ حقائق کے باوجود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا نام ان کے
عظیم علمی کارناموں کی وجہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انشاء اللہ العزیز

ہرگز نیرد آنکہ دش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

آپ نے مقدس شجر اسلام میں غیر اسلامی نظریات کی پیوند کاری کرنے والوں سے
علمی جہاد کیا نیز علمائے حق و علمائے سو میں پہچان کرائی اور ایسے ”مصلحین“ کے تعاقب میں ہمیشہ
سرگرم عمل رہے جنہوں نے نئے نئے فرقے بنا کر مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا اور جو
تدابیر پر پے اور پکے مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی وغیرہ ٹھہرتے رہتے تھے آپ نے
براہین قاطعہ سے ان کے سارے مزعومہ دلائل کے تار پود کھیر کر رکھ دیے۔

خالق کائنات بل جلالتہ کی صفات کو جب علماء نے اپنے غلط عقلی پیمانوں سے ماپنا
شروع کر دیا اور سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالات عالیہ کی حدود ایسی متعین
کرنے لگے جن کی ایک امتی کمانے والا ہرگز جہارت نہیں کر سکتا تو اعلیٰ حضرت نے عظمت خداوندی
اور شان مصطفویٰ کا علم بلند کیا اور کسر شان کرنے والوں کے دلائل فاسدہ و خیالات کاسدہ کا علم
بھر رو بیغ کرتے رہے۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مدجرم ہے جس کی پاداش میں وہ آج
تک بعض حلقوں میں سب و شتم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

آپ بزرگوں کے اس درجہ مورد تھے کہ چھ سال کی عمر میں بغداد شریف کی سمت

معلوم ہونے پر، پھر کبھی اس طرف پاؤں نہیں پھیلانے کسی بزرگ کا نام مناسب القاب اور دعائیہ کلمات کے بغیر کبھی نہ لکھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو "اللہ میاں" کہنا غلط بتایا اور مجھایا کہ درود شریف کا (صلعم ۴۰ عم) وغیرہ اشارات سے اختصار کرنا صلوٰۃ علیہ وسلم کے خلفاء کے خلاف نَبَدَاکَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیلَ لَہُمْ کے قبیل سے ہونے کی بنا پر دلیل محرومی ہے۔

آپ کے نزدیک صحابہ کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بجائے رضی اللہ عنہم اور دیگر بزرگوں کے ناموں پر رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ رح لکھنا ناپسندیدہ تھا کیونکہ یہ بدعت قبیحہ اور بزرگوں کی شان گھٹانے والوں کی ایجاد ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے چار سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ پڑھ لیا، چھ سال کی عمر میں میاد شریف پڑھا، آٹھ سال کے ہوئے تو "ہدایۃ النور" کی عربی میں شرح لکھ دی اور تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں اپنے والد ماجد، امام المتکلمین، مولانا نقی علی خاں (المتوفی ۱۲۹۶ھ) رحمۃ اللہ علیہ کی مسند افتاد کو زینت بخشی۔ اس نابغہ معصر اور عارف کامل نے ۱۲۹۲ھ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت سید آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت کی اور ساتھ ہی اجازت و خلافت اور خرقہ سے سرفراز ہوئے۔

۱۲۹۵ھ میں والدین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہمراہ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل کیا اور دوسری بار ۱۳۲۳ھ میں مشرف ہوئے۔ حسام الثرمین، الدولیہ المکیہ اور فضل الفقہیہ الفاہم جیسی مایہ ناز تصانیف امی مقدس موقع کی مبارک یادگاریں ہیں۔ ۱۳۹۵ھ میں شافعیہ کے امام مولانا حسین بن صالح جبل الیل کی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اِنِّیْ لَا اَجِدُ لُوْدًا لِّلّٰہِ فِیْ ہٰذَا الْجَبِّیْنِ پھر انہوں نے صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی سندیں اپنے دست مبارک سے لکھ کر

عنایت فرمائیں اور آپ کو مضافاً الدین احمد کے نام سے موسوم کیا۔

نگاہیں کاموں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے میں

کیس چھپتا ہے اکبر پھول تپوں میں نہاں ہو کر

مرشدِ برحق، حضرت آلِ رسولِ مہرِ دی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ "بروزِ حشر اگر باری تعالیٰ پوچھے گا کہ اے آلِ رسول! دنیا سے میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو عرض کروں گا کہ اے پروردگار! میں تیرے لیے احمد رضا لایا ہوں" اعلیٰ حضرت نے پچاس علوم و فنون پر مشتمل ایک ہزار کے لگ بھگ کتابیں لکھیں جن میں سے بعض علوم تو ایسے ہیں کہ آج کل کے نابوۃ عصر اور مجدد و محقق بننے والے اُن کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔

آپ چونکہ سچے عاشقِ رسول تھے اسی لیے مسلمانوں کو عشقِ رسول کے جام پلاتے رہے کیونکہ یہی جانِ اسلام و روحِ ایمان ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا، "اگر میرے دل کو چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دو تو ایک پر لا اِلهَ اِلَّا اللهُ اور دوسرے پر مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ لکھا ہوا پاؤ گے۔ اپنی زندگی کی تصویر خود قطعہ ذیل میں یوں کھینچ دی تھی:

نہ مرا نوشِ زحسین، نہ مرا نیشِ زطعن

نہ مرا گوشِ بدمے، نہ مرا ہوشِ ذمے

منم و کجِ خموشے کہ نہ گنجِ دروے

جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

اگر آپ فرقِ باطلہ کے علمبرداروں کو نہ ٹوکتے، مقدس اسلام کے مخصوص عقائد و نظریات کی من مانی تعبیر میں کرنے والوں کا محاسبہ نہ کرتے تو تمام فرقوں کے نامور علماء اس بے مقرباً اسلام کی علمی عظمت کو بر ملا تسلیم کرتے لیکن کسی بھی مجدد کو ایسی جھوٹی عزت کی کبھی خواہش نہیں ہوتی، چونکہ آپ بھی عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفوی کے سچے نگہبان تھے اسی لیے طعن و تشنیع اور تحسین و آفرین سے بے نیاز ہو کر ہر حالت میں اپنا فرض ادا کرتے رہے۔

کسی زندہ قوم میں اس مرتبے کا کوئی عالم پیدا ہو جاتا تو وہ قوم اس کے علوم و فنون سے نہ صرف خود مستفید ہوتی بلکہ تمام دنیا کو اس کے افکار و نظریات پڑھنے اور سمجھنے پر مجبور کر دیتی۔ علمائے اہل سنت کی بے حسی کا کون اندازہ کر سکتا ہے جبکہ اس یگانہ روزگار و نابغہ عصر کے اکثر علمی شاہکار زبورِ طبع سے محروم اور زینتِ طاقِ نسیان بنے ہوئے ہیں۔

آئندہ سطور میں دورِ حاضر کے فقیہ اعظم یعنی امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کے ”مقام فقہ“ کے متعلق ”مرکزی مجلسِ رضا“ کی دعوت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

میں صرف ازراہ عقیدت یہ جرات کر رہا ہوں ورنہ میرا یہ منصب نہیں اور نہ اتنی قابلیت کہ ایسی باکمال ہستی کا کمال فقہ دانی بیان کر سکوں اس ضمن میں مجھے یہ سچ دانی اور علمی بیہ بضاعتی کا اعتراف ہے۔

یہ زندہ حقیقت ہے کہ جملہ مدعیانِ اسلام میں اہلسنت و جماعت ہی ناجی گروہ اور سوادِ اعظم ہیں۔ قرآن و حدیث اور ان سے متعلقہ سارا علمی و قلمی سرمایہ ملتِ اہلسنت و جماعت کا ہے اگر ان حضرات کے علمی کارناموں کو ایک طرف رکھ کر دیکھا جائے تو باقی تمام فرقوں میں سے کسی کے پلے کوئی قابلِ ذکر چیز باقی نہیں رہتی آج بھی تمام مدعیانِ اسلام میں اہلسنت و جماعت کہلانے والوں کی تعداد تقریباً تین چوتھائی ہوگی۔ اور قریباً ہر دور میں یہی حالت رہی ہے۔ اس زندہ حقیقت کے باوجود بھی کیا اہلسنت و جماعت کے سوادِ اعظم ہونے کے لیے کوئی اور ثبوت درکار ہے؟

فقہی لحاظ سے اہلسنت و جماعت کے چار مذاہب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں چاروں مذاہب برحق ہیں کیونکہ چاروں ائمہ مجتہدین نے قرآن و حدیث کے فرمودات کو خوب سمجھا، دوسروں سے بہتر سمجھا اور مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ چاروں سے منہ موڑ کر اپنی تحقیق کی گاڑی چلانے والا ہرگز ہرگز صراطِ مستقیم پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ ان چاروں میں سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۰ھ) کو بالاتفاق تمام ائمہ و فقہائے

امام اعظم تسلیم کیا ہے سرمایہ ملت کے ایک عظیم الشان محافظ یعنی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۲۷ھ / ۱۶۲۴ء) حضرت امام اعظم کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

از علوشان امام بزرگ ترین	بزرگوں کے اس بزرگ ترین امام یعنی
بزرگواران امام اجل، پیشوائے اکمل،	امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کیا
ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چہ نولید	لکھا جائے جب کہ وہ امام اجل اور
کہ اعلم واورع و اتقائے مجتہدین	پیشوائے اکمل تھے نیز علم ورع اور تقویٰ
است، چہ شافعی و مالک و چہ احمد	میں تمام مجتہدین سے بڑھ کر تھے خواہ
بن حنبل، امام شافعی می فرماید	امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن
الفقہاء کلہم عیال ابی	حنبل ہی ہوں امام شافعی فرماتے ہیں کہ
حنیفۃ لہ	فقہ میں تمام فقہاء امام ابوحنیفہ کے

بال بچے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وقت نظر و بلند پروازی تک رسائی نہ ہونے کے باعث بعض لوگوں نے ان پر اعتراضات کیے اور کئی محدثین حضرات نے انھیں اصحاب الزائے کے نام سے یاد کیا۔ حالانکہ امام اعظم کے ہاں ایک بات بھی ایسی نہیں جو قابل اعتراض ہو۔ اس صورت حال پر افسوس کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقت نفس الامری کا یوں اظہار فرمایا ہے۔

وائے ہزدروائے از تعصب ہائے	حامدوں کے بے جا تعصب اور ان کی
باردائشاں داز نظر ہائے فاسد	غلط بین نظروں پر افسوس، ہزار افسوس
الیشاں بانئی فقہ ابوحنیفہ است	فقہ کے بانی امام ابوحنیفہ ہیں اور فقہ سے

۱۵ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مبداء و معاد، مطبوعہ کراچی، ص ۵۵

وسہ حصہ ازفقہ اور مسلم داشتہ
اندو در ربع باقی ہمہ شرکت دارند
در فقہ صاحب خانہ اوست و دیگران
ہم عیال وے اند۔ باوجود التزام
ایں مذہب مرابا امام شافعی گویا
محبت ذاتی است و نہ رنگ
میدانم لہذا در بعضے اعمال نافلہ
تقلید مذہب اومی نمائیم اما چہ کنیم
کہ دیگران را با وجود دوز علم و کمال
تقوای در جنب امام ابی حنیفہ در
رنگ طفلان می یابیم لہ

تین حصے ان کے لیے مسلم ہیں جبکہ باقی
ایک چوتھائی میں سارے شریک ہیں فقہ
میں صاحب خانہ وہی ہیں۔ اور باقی سارے
ان کے ہی بال بچے ہیں اس مذہب حنفی
کی پابندی کرنے کے باوجود مجھے امام
شافعی سے گویا ذاتی محبت ہے اور
بعض نقلی کاموں میں ان کی تقلید بھی کر
لیا کرتا ہوں لیکن کروں کیا کہ دیگر
مجتہدین کو دافر علم اور کمال تقویٰ کے
باوجود امام ابوحنیفہ کے سامنے بچوں کی
شکل میں دیکھتا ہوں۔

یوں تو چاروں فقہی مذاہب حق و صداقت پر مبنی اور صراط مستقیم میں لکین قرآن و
حدیث کے حقیقی مفہوم و معانی سے مذہب حنفی کو زیادہ قرب حاصل ہے اور یہ مذہب
اپنے اصول و فروع میں دیگر مذاہب سے ممتاز ہے۔ کشور کشف در روحانیت کے فرماں روا
رازمائے سربتہ کے آشنا، حق و صداقت کے علمبردار رہنا یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس
سرمال عزیز نے کشف کے ذریعے اس زندہ دینی و علمی حقیقت یعنی مذہب حنفی کی انفرادیت
کے بارے میں اپنے شہزادگان یعنی خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء) اور
خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۶۹ھ / ۱۶۶۸ء) کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے
اکھنیں یہ بھی بتایا اور اس حقیقت کے چہرے سے یوں پردہ ہٹایا :-

۱۵ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۵۵

بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ
 میشود کہ نورانیت اس مذہب حنفی
 بنظر کشفی در رنگ دریائے عظیم
 می نماید و سایر مذاہب در رنگ
 حیاض و جداول بنظری در آیند
 و بظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ می آید
 سواد اعظم از اہل اسلام متابعان
 ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان و اس
 مذہب با وجود کثرت متابعان
 در اصول و فروع از سایر مذاہب
 متمیز است و در استنباط طریق
 علیحدہ دارد و اس معنی مبنی از
 حقیقت است لہ

تکلف و تعصب سے مہٹ کر کہا جا
 سکتا ہے کہ کشفی نظر سے دیکھیے تو اس
 مذہب حنفی کی نورانیت دریائے عظیم کی
 صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ جبکہ دیگر
 تمام مذاہب حوضوں اور تالابوں کی شکل
 میں نظر آتے ہیں۔ ظاہری نظر سے دیکھیں
 تب بھی یہی صورت حال سامنے نظر آتی
 ہے۔ کہ اہل اسلام کا سواد اعظم امام
 ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پیروکار ہیں اور
 یہ مذہب پیروکاروں کی کثرت کے علاوہ
 اصول و فروع میں دیگر مذاہب سے امتیاز
 رکھتا ہے اور استنباط کا طریقہ ہی
 جدا رکھتا ہے۔ اور یہ بات حقیقت پر
 مبنی ہے۔

مذہب حنفی کی اس انفرادیت و خصوصیت ہی کا کرشمہ ہے کہ اس کے پیروکار ہر
 دور میں جملہ مدعیان اسلام کا تقریباً دو تہائی حصہ رہے ہیں اور آج بھی جبکہ دنیا کے اندر
 مدعیان اسلام کی تعداد اسی کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ تو حنفی مذہب کی پیروی کرنے والے
 پچاس کروڑ سے زیادہ ہی ہوں گے۔ جو افغانستان، پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش،
 ایران، عراق، ترکی، سعودی عرب، اردن، شام، چین، روس اور دنیا کے تقریباً ہر ملک میں

لہ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۵۵

پھیلے ہوئے ہیں۔ فقہ حنفی کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ مختلف ادوار کے اندر اسے دنیا کے کئی ممالک میں ملکی قانون ہونے کی حیثیت بھی حاصل رہی ہے۔

فقہائے احناف کے علمی کارنامے سرمایہ ملت کا ایک معتدبہ حصہ ہیں۔ ماضی قریب میں احناف کے مایہ ناز فقیہ علامہ سید محمد امین بن عمر عابد بن شامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء) میدانِ فقہیت کے ایسے شہسوار ہوئے ہیں کہ گذشتہ دور میں انکی نظیر نظر نہیں آتی موصوف نے درمختار شرح تنویر الابصار کی ردالمحتار کے نام سے شرح لکھی جو فقہ میں ان کی علمی وسعت و دقت نظر اور بلند پروری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جس کے باعث دنیا کی علمی ہستیوں نے علامہ شامی کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

گذشتہ صدی میں امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۱ء) نے ردالمحتار کی عربی میں پانچ ضخیم جلدوں کے اندر ردالمحتار کے نام سے شرح لکھی جسے دیکھ کر کوئی انصاف پسند اور صاحب نظر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ امام احمد رضا واقعی فقہ میں علامہ شامی سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ امام احمد رضا کا اردو فتاویٰ بڑے سائز کی بارہ ضخیم جلدوں میں ہے بعض فتوے آپ نے اتنی وسیع النظری سے لکھے ہیں کہ امام احمد رضا پر مجتہد ہونے کا گمان گزرنے لگتا ہے۔

امام احمد رضا خان کو دو چار نہیں بلکہ پچاس سے زیادہ علوم و فنون میں کمال مہارت حاصل تھی۔ کئی علوم تو ایسے ہیں جن میں آپ درجہ امامت پر فائز تھے۔ کئی علوم وہ ہیں جو آپ کے ساتھ ہی دفن ہو گئے۔ اور ان میں مہارت رکھنا تو دور کی بات ہے ان سے ادنیٰ سی واقفیت رکھنے والا بھی روئے زمین پر کوئی نظر نہیں آتا۔ ہر علم و فن میں آپ کی متعدد تصانیف موجود ہیں۔ جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا تو لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ وہ دادِ تحقیق دی کہ مایہ ناز علمی ہستیاں بھی پھر تک اٹھیں۔ اور تازلیست رضوی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتی رہیں۔

حق و صداقت سے عناد رکھنے والوں کے خلاف امام احمد رضا نے قلم اٹھایا تو کسی کے لیے ایک لفظ لکھنے اور اس موضوع پر زبان کھولنے کی گنجائش نہ چھوڑی۔ برٹش گورنمنٹ نے اپنے پرفتن دور میں حشرات الارض کی طرح لصوصِ دین پھیلانے جو بڑے خوشنما علمی روحانی لبادوں میں عوام الناس کے سامنے آئے تو امام احمد رضا نے ۱۲۸۶ھ سے ۱۲۲۰ھ تک متواتر چَوَن سال ان کا محاسبہ جاری رکھا اور سربراہِ نبرہ دین و ایمان کے چہرے کی نقاب کو ایسے مجددانہ اور بے مثال انداز سے ہٹایا کہ ہر صاحبِ نظر کو ان کے بدنما چہرے صاف نظر آنے لگے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کو اس دنیا سے گئے ہوئے چونسٹھ سال ہو گئے لیکن علم و فضل کے تمام تر دعویٰ کے باوجود کسی مخالف سے ان کی کسی چھوٹی سے چھوٹی تصنیف کا جواب نہ ان کی زندگی میں بن پڑا اور نہ وصال کے بعد سے آج تک کسی کتاب کا جواب لکھا جاسکا ہے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُوْتِیْهِ مَن یَّشَاءُ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝

ہاں مخالفین نے یہ ضرور کیا ہے کہ امام احمد رضا کی زندگی میں اور ان کے وصال سے آج تک ان کے خلاف دل کھول کر لکھا۔ بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا وہ کون سا الزام تھا جو ان کے سر نہ دھرا وہ کون سا جرم تھا جو ان کے نام سے نہ جڑا۔ وہ کون سی گمراہی تھی جس کی امام احمد رضا سے نسبت نہ کی نہ اسلام و شمتی اور ملت فروشی کا وہ کون سا کام تھا جس کا سہرا انھوں نے امام احمد رضا کے سر پر نہ باندھا ہو۔ فاضل بریلوی کی عداوت میں وہ لوگ ایسے اندھے بہرے ہو گئے کہ ظاہری دین و دیانت اور تہذیب و شرافت کے تمام تقاضے چھوڑ دیے۔ سب سے آنکھیں بند کر کے تقریباً ایک صدی سے عوام الناس کو یہ باور کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ مولوی احمد رضا خاں اسلام و مسلمین کا بدخواہ اور ایک گمراہ انسان تھا۔ بغض و عناد کی اتنی گندی شراب پی بیٹھے ہیں کہ اس ایک جھوٹے کو سچ ثابت کرنے کے لیے ان مہربانوں نے ہزاروں جھوٹوں کا سہارا لیا ہے۔ ان جھوٹوں پر

مبنی ہزار اکتب و رسائل پاک و ہند کے گوشے گوشے میں پھیلا رکھے ہیں عداوت کی ایسی آگ لگی ہے کہ بجھنے میں نہیں آتی اور بجھے کیسے جبکہ حقانیت و صداقت انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتی
 وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

بہر حال مخالفین نے وہی کیا جو حق و صداقت سے غناور کھنے والے ہر دور میں کرتے آئے ہیں لیکن حق و صداقت کے موجودہ علمبرداروں اور امام احمد رضا خان کو چودھویں صدی میں کشتیِ ملت کا ناخدا اور سرمایہ ملت کا نگہبان جاننے اور ماننے والوں نے ان کی حمایت میں کتنا کام کیا؟ اس سوال کا جواب، اتنا افسوس ناک ہے کہ ہر صاحب نظر کا سر نہ امت سے جھک جاتا ہے۔ کیا یہ حالات کی ستم ظریفی نہیں کہ آج سے پندرہ سولہ سال پہلے سرمایہ ملت کے اس نگہبان کی حمایت میں ہمارے موجودہ راہنماؤں کی جانب سے ایک بھی قابل ذکر کتاب منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ مخالفین نے فاضل بریلوی کے خلاف ہزاروں صفحات پاک و ہند کے گوشے گوشے میں بکھیر دیے۔ الزامات کے انبار لگا دیے لیکن عقیدت مندوں نے حمایت میں خاموشی کس مصلحت کے تحت اختیار کیے رکھی؟ سچی بات یہ ہے کہ کم از کم اس ناچیز کو اس خاموشی اور خود فراموشی کا آج تک کوئی معقول جواب اور جواز نہیں مل سکا ہے۔

دریں حالات یہ گدائے دراو لیا، اور علمائے کرام کا نعلین بردار جس نے چھ سال پہلے اپنے موجودہ علمائے کرام و مشائخ عظام کی خدمت میں تجلیات امام ربانی کے اندر چند گزارشات پیش کی تھیں آج پھر دست لبتہ اور رُبرے عاجزانہ اور ملتجیانہ لہجے میں ان سوالات کو دہراتا ہے تاکہ ہماری کشتی کے یہ جملہ ناخدا اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونے سے پہلے، دہاں باز پرس ہونے سے قبل حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تَحْسَبُوْا كَيْفَ تَحْتِ اِنْ تَحْسَبُوْنَ فِيْهَا نُوْا مِّنْ جِهَانِكُمْ ۚ

کر دیکھ لیں۔ اپنی اپنی مساعی جلیلہ کا جائزہ لے سکیں اور یہ اندازہ فرما سکیں کہ اس پرفتن دور میں جبکہ گمراہی کے سیلاب چاروں طرف سے اٹھ کر آئے ہوئے ہیں جو اسلامی اقدار کو بہا کر لے جا رہے ہیں تو ملتِ اسلامیہ کے موجودہ راہنماؤں، علم پیغمبر کے ان وارثوں اور سرمایہ ملت کے ان

نگہبانوں نے اسلام و مسلمین کی خیر خواہی میں ان سیلابوں کا رخ موڑنے اور ان کے آگے دیواریں کھڑی کرنے پر کس درجہ تن من و دھن کی بازی لگائی ہوئی ہے۔ ان حضرات میں سے ہر ایک اپنے کارناموں کا طول و عرض خود ملاحظہ فرمائے اور اطمینان قلب حاصل کرے کہ اب محشر کی باز پرس کا خطرہ نہیں ہے۔

خدا شاہد ہے کہ اپنا مقصد کسی کی تنقیص و تضحیک نہیں بلکہ مدعا صرف یہی ہے کہ جو حضرات اپنے اندر کسی قسم کی کوتاہی محسوس کریں وہ اپنے بیدار کرنے والے کی بارگاہ میں پیش ہو کر جواب دینے سے پہلے مہر رخ رو ہونے کا سامان فراہم کر سکیں ممکن ہے اس عصیاں شعار کے یہ ٹوٹے مچھوٹے الفاظ ان بزرگوں کی نظر سے گزریں اور وہ اپنی مساعی جمیلہ کو تیز سے تیز تر کر دیں اور انفرادی کوششوں کے ساتھ شاید کوئی ایسا مرد مجاہد اور مرد حق آگاہ بھی کھڑا ہو جائے جو دین کی خدمت اور ملت اسلامیہ کی خیر خواہی و راہنمائی میں گوٹے سبقت لے جائے اور ایسا اجتماعی نظام قائم کرے جس سے ہر میدان میں خاطر خواہ کام ہو سکے۔ اس ناچیز کی یہی وہ دلی تمنا ہے جس نے موجودہ راہنماؤں سے یہ سوالات کرنے پر مجبور کیا ہے۔

۱۔ حضور والا! ملک کے اندر حکمران اسی طرح ہوتا ہے جیسے جسم میں روح۔ ملک و ملت کی اصلاح کا راز حکمرانوں کی اصلاح میں پوشیدہ ہے۔ پاکستان کو قائم ہوئے خدائے فضل و کرم کے سینتیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی اس مملکت خداداد میں قائد اعظم سے قائد عوام تک کہلانے والے کتنے ہی حکمران آئے اور دنیا سے چلے گئے اس عرصہ میں آپ حضرات نے انھیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اسلام کا گرویدہ بنانے کی کس حد تک کوشش فرمائی اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوا تھا۔

۲۔ سکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ ہی آج کل حکومت کی مشینری کے پرزے بنتے ہیں۔ ان پرزوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی خاطر آپ حضرات نے ان میں پڑھائے جانے والے نصاب کی کتابیں لکھ کر موجودہ کالجوں کو کہاں تک مشرف بہ اسلام کیا ہے؟ اگر اس طرف توجہ

نہیں فرمائی اور یہ سوچ کر حشمت پوشی روارکھی کہ غیر اسلامی ذہن رکھنے والے بھی اگر حکمران بننے رہے اور وہ اسلامی اقدار کو مٹاتے رہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ دریں حالات ازراہِ کرم اتنا ہی بتا دیا جائے کہ اس ملک کی فضاؤں کو پارٹیوں نے اسلامی بنانا ہے یا پنڈتوں نے؟

۳۔ آپ حضرات کی کتنی ایسی تصانیف ہیں جو اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کے قلوب و اذہان کو جلا بخش رہی ہیں؟ اگر ایسی کتابیں اُٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تو ان اداروں میں تربیت پانے والے نونہالانِ چین کی دینی موت میں آنجناب کا بھی کچھ حصہ ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ جب ان کا مقدمہ بارگاہِ الہیہ میں پیش ہو تو ان کے قاتلوں کی فہرست میں آپ حضرات میں سے کسی کا نام تو نہیں آئے گا؟

۴۔ اسکولوں اور کالجوں میں آپ کے بچے بھی پڑھ رہے ہیں ان کے اندر گمراہ گروں کی لکھی ہوئی کتابیں بھی پڑھائی جا رہی ہیں۔ بعض دشمنانِ دین و ملت کو مایہ ناز بزرگ اور کشتیِ ملت کے ناخدا بتایا جاتا ہے۔ کتنے ہی بچے آپ کے دیکھتے ہوئے اس لٹریچر کے باعث ان نام نہاد بزرگوں کے معتقد ہو کر اصلی بزرگوں اور ان کے راستے سے برگشتہ ہو جاتے ہیں۔ اپنے بچوں کو یوں بے دردی سے گمراہی کے عمیق گڑھے میں دھکیلنے والوں کو جنت کا کون سا طبقہ ملے گا؟

۵۔ ذرائعِ ابلاغ سے تبلیغ کا کام برق رفتاری سے ہوتا ہے۔ آج کسی قوم کو بنانے اور بگاڑنے میں ذرائعِ ابلاغ اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ کیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو آپ حضرات کی نظر کیمیا اثر نے سچا مسلمان بنالیا ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ آپ کے دیکھتے ہوئے ایک فاسق و فاجر کا پارٹ ادا کر رہے ہوں؟

۶۔ کسی شہر میں ماہوار آپ کے کتنے جلسے ہوتے ہیں اور اسی شہر میں کتنے سینما شو دکھائے جاتے ہیں؟ دونوں جانب حاضرین کا تناسب بھی مد نظر ہو گا تو قوم کی اس راہ روی اور ذہنی عیاشی کا یقیناً آپ نے کوئی علاج کرنے کی کوشش فرمائی ہوگی۔ کہیں نتیجہ برعکس تو برآمد

نہیں ہوا کیونکہ دیکھنے میں تو یہی آرہا ہے کہ دینی جلسوں کا نام ہی باقی رہ گیا ہے جبکہ سیناؤں کا ہال پھیل چکا ہے بلکہ اب تو ٹیلی ویژن اور وی۔سی۔ آر کی بدولت بے شمار گھرانے خود ہی سینا گھر ہو چکے ہیں۔ اس صورت حال کی ذمہ داری کسی حد تک آپ پر بھی عائد ہوتی ہے یا نہیں؟

۷۔ اخبارات قوم کے ترجمان ہوتے ہیں کیا پاکستان کے اخبارات واقعی ملت اسلامیہ کی ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں؟ یہ حق و صداقت کے بیابان کی ترجمان بن کر اعلیٰ کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کر رہے ہیں یا ہر چڑھتے سورج کی پوجا کرنے اور ”چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی“ والی پالیسی پر عمل پیرا ہیں؟ مہلک اس ستم ظریفی کو قبول فرم لینے یا خاموشی اختیار کرنے میں کون سی مصلحت اور دارین کی بھلائی نظر آئی؟

۸۔ پورے ملک میں اہل سنت و جماعت کے کتنے روزہ، ہفت روزہ، پندرہ روزہ اور ماہوار رسالے ہیں جو کامیابی کے ساتھ چل رہے ہوں اور وہ عام مسلمانوں کو راہِ حرم دکھا رہے ہوں؟ اگر ایسا ایک پرچہ بھی نہیں تو اس کی ذمہ داری عوام الناس پر ڈالی جائیگی یا بلا شکر کت غیر ہر وارث علم پھیر پر؟

۹۔ اہل سنت کے جو دینی رسالے اس دور میں جو گھٹنوں چل رہے ہیں یا دم توڑ رہے ہیں ان کے ساتھ آپ نے دامے ورمے، قذوئے سخنے کس حد تک تعاون فرمایا ہے؟ اگر بالکل نہیں تو اس کی کوئی معقول وجہ؟

۱۰۔ اہل سنت و جماعت کی دینی درسگاہیں کیوں سونی پڑتی جا رہی ہیں؟ امید ہے کہ کامیاب مدرسین کی قلت کے اسباب پر آپ نے ضرور غور فرمایا ہو گا یقیناً آپ کے علم میں یہ بات بھی ہوگی کہ دیانہ کی درسگاہیں کیوں دن دو فی رات چوگنی ترقی کر رہی ہیں۔ اپنے دینی مدارس کے تنزل میں غیروں کی سازش کا فرما ہے یا صرف آپ حضرات کی بے تدبیری؟

۱۱۔ درس نظامی کی کتنی کتابوں کو شائع کروانے کا آپ حضرات کی جانب سے اہتمام بہتار ہا ہے۔ اگر اس جانب متوجہ ہونے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی تو اس اغماض کی معقول اور قابل قبول وجہ کیا ہے؟

۱۲۔ درس نظامی کی کتنی کتابوں پر آپ کے حواشی اور شرح ہیں؟ اگر آپ کی درس گاہوں میں وہی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن پر گمراہ گروں نے حواشی لکھے ہیں تو اس صورت حال کے نفسیاتی اثر کی ذمہ داری حواشی لکھنے والوں پر عائد ہوگی یا ساری کی ساری آپ حضرات پر؟

۱۳۔ پنجاب کے دل اور پاکستان کے لاہور جیسے عظیم شہر میں بیس سال پہلے فوری کتب خانے کے نام سے دینی کتابوں کی ایک چھوٹی سی دکان تھی جہاں سے اہل سنت و جماعت کی بعض چھوٹی موٹی کتابیں مل جایا کرتی تھیں اور اس کے علاوہ اہل سنت و جماعت کالاهور میں کوئی مکتبہ چراغ نے کڑھونڈھنے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ جبکہ بد مذہبوں کے متعدد مکتبے بڑے مٹھاٹ باٹ سے چل رہے تھے۔ کیا آپ بزرگوں کے نزدیک اب تبلیغ دین کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ یا میدان میں گمراہ گروں کو دیکھ کر آپ حضرات نے راہ فرار اختیار کر لی تھی؟

۱۴۔ اب بفضلہ تعالیٰ اسی لاہور جیسے تاریخی شہر میں اہلسنت و جماعت کے بیس پچیس مکتبے بڑے حوصلہ افزا طریقے سے مصروف عمل ہیں اور دین برحق کی نشر و اشاعت کا فریضہ ادا کر رہے ہیں ان مکتبوں کے قیام و اجراء میں کس حد تک آپ کے جذبات کا دخل ہے اور ان کے ساتھ آپ بزرگوں کا تعاون کس نوعیت کا ہے؟

۱۵۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر صحابہ کرام کی خصوصیات پر نیز دیگر بزرگان دین و اولیائے پاک و بہند کے کارناموں پر مشتمل آپ حضرات کی کتنی ایسی تصانیف ہیں جو جدید تقاضوں کو پورا کرنے والی ہیں۔ جنہیں بے خوف و خطر ایسے عنوانات پر

لکھی ہوئی گمراہ گروں کی تصانیف کے مقابلے میں رکھا جاسکتا ہے؛ آپ حضرات نے غلامی کا حق ادا کرتے ہوئے اسلاف کے بارے میں یقیناً بہت کچھ لکھ کر ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا ہو گا یا آپ اپنے سارے بزرگوں کو طاقِ نسیاں کی زینت بنا کر روحانی منزل میں طے کرنے میں مشغول ہیں؟

۱۶۔ سیاسی معاملات سے قطعاً تعلق ہو کر بد مذہبوں اور دین سے برگشتہ لوگوں بلکہ دشمنانِ اسلام تک کو اپنے اوپر مسلط کر لینا، آنکھیں بند کر کے انھیں ملک و مذہب کی قسمت کے مالک بننے کا پورا موقع دینا، کہیں دین کو مٹانے کا اجازت نامہ اور اہل حق کی دینی توجہ کے پرولنے پر دستخط کرنا تو نہیں؟

۱۷۔ قیامِ پاکستان کے وقت دیوبندی حضرات کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔ ان لوگوں نے اپنے تبلیغی دستوں کے ذریعے کلمہ اور نماز کی آڑ میں اہلسنت و جماعت کے خاصے حصے کو دیوبندی و ماہی بنا لیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جماعت سے انھیں نکال کر محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولوی محمد اسماعیل دہلوی کے کیمپ میں پہنچا دیا۔ کیا ان بد نصیبوں کی دینی موت پر آپ تڑپے؟ کیا آپ کی آنکھوں میں ایک دو آنسو آئے۔ کیا آپ کی راتوں کی نیندوں میں کوئی کچی اس صورتِ حال کے باعث واقع ہوئی؟ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی دینی موت کا آپ کو چنداں صدمہ نہیں ہوا۔ ورنہ اس ستم ظریفی کے راستہ میں ضرور کوئی رکاوٹ کھڑی کرتے۔ لہذا میدانِ محشر میں کشتیِ ملت کی ناخدائی اور سرمایہ ملت کی نگہبانی کے امتیازی تمغے بارگاہِ خداوندی سے آپ حضرات ہی کو ملیں گے؟

۱۸۔ ماضی قریب میں اہل سنت و جماعت کے چند قابلِ قدر لکھنے والے منظرِ عام پر آئے ہیں جو مایوسی اور تنہائی کے عالم میں مسلک اور اسلاف کے دفاع میں بڑی جرات سے لکھ رہے ہیں اور ہر میدان میں چھانٹے ہوئے گمراہ گروں کا مروانہ وار قلمی مقابلہ کر رہے ہیں۔

ان سرفروشنوں کے ساتھ یقیناً آپ دل کھول کر تعاون کر رہے ہوں گے یا ان کی یہ جبرائت
رندانہ آپ کی طبع نازک پر گراں گزری ہے؟

۱۹۔ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور کے نام سے یقیناً آپ روشناس ہونگے۔ اس ادارے
نے چودہ پندرہ سالوں میں چودھویں صدی کے مجدد برحق امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ
علیہ کے متعلق قابلِ قدر و لائق تحسین کام کیا اور کروایا ہے۔ اپنے ہی اس مثالی اور قابلِ
تقلید ادارے کے ساتھ آپ حضرات کے تعاون کی نوعیت کیا ہے؟ اس کو قائم رکھنے
اور اس کے کام کی رفتار کو تیز کرنے کی خاطر سرپرستی کے جذبے سے سرشار ہو کر آپ نے
کیا اقدامات کیے ہیں؟

۲۰۔ مودودی صاحب نے اپنے قلم کی سحر کاری کے باعث کتنے ہی پڑھے لکھے حضرات
کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ کالجوں میں طلبہ کی خاصی تعداد انھیں سر آنکھوں پر جگہ دیتی ہے۔ موصوف
نے دل کھول کر مقدس شجرِ اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں بڑی فنکاری سے
لگائی ہیں کیا اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں آپ حضرات نے اس ستم ظریفی کا کوئی
سذباب کیا ہے؟

۲۱۔ اپنے کتنے ہی بزرگوں کی کافی تصانیفِ عالیہ کٹیڑوں کی خوراک بن چکیں جو قلمی صورت
میں آج بھی موجود ہیں ان کی طباعت و اشاعت کے بارے میں کوئی خیال جنا کے قلوبِ ذہان
میں کر دٹیں لیا کرتا ہے؟

۲۲۔ اعلیٰ کلمۃ الحق کی خاطر اہل سنت و جماعت کو سیاسی، قلمی، تدریسی اور
تبلیغی میدانوں میں آگے بڑھانے کی خاطر آپ حضرات نے کوئی اجتماعی نظام قائم کیا ہوا
ہے یا ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی؟

۲۳۔ بد مذہب قریباً ایک صدی سے کتبِ احادیث کو اردو ترجموں کے ساتھ
اُردو دان طبقے تک پہنچاتے آرہے ہیں۔ انھوں نے بیسیوں کتابیں لاکھوں کی تعداد میں اُردو

ترجموں کے ساتھ پاک دہند کے گوشے گوشے میں پہنچادیں۔ جبکہ اہل سنت و جماعت کی طرف سے صرف مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء) کی مرآة شرح مشکوٰۃ بازار میں دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ پوری چودھویں صدی میں حدیث کی پوری کتاب اہلسنت کے اردو ترجمے یا شرح کے ساتھ بازار میں موجود نہیں تھی۔ دریں حالات صورتِ حال سے بے خبر عوام الناس ان لوگوں کو دشمنانِ رسول اور آپ حضرات کو وارثانِ علمِ پیغمبر اور عاشقانِ رسول مان لیں گے؟

۲۴۔ گندم مناجو فروش علماء نے قرآن مجید اور کتبِ احادیث کے اردو ترجمے کرتے ہوئے مقدس شجرِ اسلام کے اندر غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگائی ہوئی ہیں۔ آپ حضرات نے سرمایہ ملت کے نگہبان بن کر اس ستم ظریفی کا کہاں تک سدباب کیا ہے؟

۲۵۔ برٹش گورنمنٹ کی اسلام دشمنی کا شکار ہو کر بعض علماء نے اپنی تصانیف میں اللہ اور اس کے آخری رسول کی شان میں ایسی گستاخانہ عبارتیں لکھ کر مشہور کی ہوئی ہیں کہ کھلے کافروں کے سرغٹوں کو بھی اس درجہ دل آزار اور گندی عبارتیں لکھنے کی کبھی جرات نہیں ہوئی تھی۔ کیا ان عبارتوں کے سارے قضیہ کو آپ حضرات نے ایسے عام فہم لفظوں میں عوام الناس کو سمجھانے کی آج تک کوشش فرمائی ہے کہ عام لوگوں پر بھی ان کا گستاخانہ اور توہین آمیز ہونا واضح ہو جائے؟

۲۶۔ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے سب سے جلیل القدر پیغمبر کی شان میں گستاخانہ عبارتیں لکھیں وہی آپ کے دیکھتے ہوئے دین کے ہر شعبے پر کس طرح چھا گئے؟ پھر قیامِ پاکستان کے وقت انہوں نے مخالفت کی انتہا کرتے ہوئے ہندوؤں سے بھی بڑھ چڑھ کر رکاوٹیں کھڑی کیں۔ لیکن پاکستان کے بن جانے پر آپ کے جیتے جی وہی اس ملک کی ساری مشینز پر قابض ہو گئے ماس ستم ظریفی کا شکوہ ان لوگوں سے کیا جائے یا آپ سے؟ اس صورتحال سے آپ حضرات کی اعلیٰ کارکردگی اور دورانِ نشی پر کوئی حرف تو نہیں آتا؟

کیا واقعی آپ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مسندِ ارشاد کی اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح دارالافتاء کی لاج رکھے ہوئے ہیں؟

۲۷۔ آپ سے پہلے جن علماء و مشائخ نے آپ حضرات کو اس مقام تک پہنچایا ہے یہ ملت کی نگہبانی کا بخیر و خوبی حق ادا کیا۔ کسی گمراہ کو ذرا سرتا اٹھانے دیا۔ اور رٹش گونڈٹ کے اقتدار کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی خاطر ہر قسم کی بازی لگائی اور ہر میدان میں مردانہ وارڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اپنے ہی ان بزرگوں کے کارناموں کو آپ حضرات نے طاق نسیان کی زینت کیوں بنایا ہوا ہے؟

اے چشمِ اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

حضرات گرامی قدر! قیامِ پاکستان سے پہلے ہمارے علماء و مشائخ کی کارکردگی بہت عمدہ نہ سہی لیکن اطمینان بخش ضرور تھی۔ ان بزرگوں کی حالات پر کڑی نظر تھی اور باطل کو انھوں نے اس طرح دبوچا ہوا تھا کہ سر اٹھانے کا موقع ہی نہیں دیتے تھے۔ حق و باطل کے پیرے اپنی اپنی جگہ پر بالکل واضح تھے۔ ادھر پاکستان قائم ہوا تو معلوم نہیں کہ آپ حضرات کو کس ظالم کی نظر لگ گئی۔ خدا جانے کیوں آپ حضرات نے میدانِ خالی چھوڑ دیا اور لمبی تان کر سو گئے۔ لصوصِ دین نے موقعِ غنیمت جانا اور دین و دنیا کے ہر شعبے پر چھا گئے۔ حق و باطل کو غتر بود کر دیا۔ رہبروں کو راہزن اور رہزنوں کو بر ملا راہبر کہا جانے لگا۔ یہی وہ صورت حال تھی جس پر ۱۹۷۶ء میں یہ ناچیز بلبلیا تھا۔ آج بھی اسی طرح نوحہ کناں ہے۔

حفظِ دین کا اب دلوں سے حوصلہ جاتا رہا	صاحبانِ علم و عرفان مصلحت کا ہیں شکار
ببلیس سب اڑ گئی ہیں چھپا جاتا رہا	آج وہ نغمے کہاں ہیں دنوا زود نشین
شیخِ سرہندی کا لیکن ولولہ جاتا رہا	مسندِ ارشاد پر کتنے ہی فائز اب بھی ہیں

کامیاب اپنے مشن میں ہو گئے تخریب کار ولٹے اک اک نائب احمد رضا جاتارا
یا الہی کلک احتسار کو بنا کلک رضا
دشمنان دین نہ یہ سمجھیں رضا جاتارا

حضور والا! حق صداقت کے محافظوں کا تساہل ہر صاحب نظر اور دین و ملت کے
بھی خواہ کو اسی طرح تڑپا رہا ہے۔ ہر ایک کی خواہش یہی ہے کہ اس گلشن میں مدینہ طیبہ کی
کی بلبلوں کے ایمان افروز اور دنواز دلنشین نغمے فردوس گوش ہوتے رہیں۔ افسوس یہاں
زراغ و بوم کی دلخراش آوازیں نسبتاً زیادہ بلند ہیں۔ لیکچر بازی کے میدان میں تو آپ حضرات
کی کارکردگی کچھ نظر آجاتی ہے جبکہ باقی میدانوں میں آپ انتہائی قناعت سے کام لے
رہے ہیں۔ کیا ہے آپ حضرات میں سے کوئی مرد میدان جو حضرت مجدد الف ثانی جیسے مرد
حق آگاہ کی طرح مسند ارشاد کی لاج رکھنے یا امام احمد رضا خان بریلوی کی طرح دارالافتاء کی
ذمہ داریاں نبھانے کی خاطر صورت حال کا پوری طرح جائزہ لے کر نقاب پوش راہزنوں سے
مقابلہ کرنے کی خاطر یہ کہتا ہو میدان میں بے خوف و خطر کود پڑے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکم اذان لا اِلهَ اِلَّا اللهُ

حضور والا! کام کرنے سے بات بنتی ہے کام کرنے والے ہمیشہ بازی لے جاتے
ہیں۔ آپ لمبی تان کر سوتے اور باطل کے علمبرداروں نے شب و روز کام کیا۔ کام کے باعث
وہ پھاگئے ان کا کام نسبتاً ہے بہت مشکل کہ اپنے سرخنوں کے چہروں پر نقاب ڈالنا اور پھر
انھیں راہزنوں کی جگہ رہبر منوانا۔ بہت کچھ گنوا لیا لیکن خدارا اب نہ گنوائیے بہت کچھ کھو دیا
لیکن خدارا اب ایسا نہ کیجیے۔ مردانہ واراٹھپیا اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے کام کیجیے۔ یقیناً
کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ کیونکہ خدا کی مدد آپ کے شامل حال ہوگی۔ سنیں بات
کام کرنے سے بنے گی۔

زندگانی کی حقیقت کو بہن کے دل سے پوچھ

جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

اس مقالے کے اندر اگر کوئی کام کی بات لکھ گیا ہوں تو وہ اس ناچیز کے ولی نعمت

مرشد، برحق، مفتی اعظم دہلی، حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۶ھ)

۱۹۶۶ء کی نگاہِ لطف و کرم کا کرشمہ ہے اور عتبی علمی غلطیاں نظر آئیں وہ احقر کی کوتاہ

علمی کے باعث ہیں۔ اہل علم حضرات اگر ناشر کی معرفت میری فرنگداشتوں سے مطلع فرمائیں

تو نوازش ہوگی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ط وَتُبَّ عَلَيْنَا

إِنَّكَ أَنْتَ الثَّوَابُ الرَّحِيمُ ه وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى

حَبِيبِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔

گدائے در اولیاء

عبدالحکیم خان اختر

مجددی مظہری شاہ جہان پوری

لاہور چھاؤنی

ارشوال المعظم ۱۳۰۲ھ

مطابق ۲ جولائی ۱۹۸۲ء

اعلیٰ حضرت اپنی تصانیف کی روشنی میں

امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا شمار ایک ہزار کے لگ بھگ ہے جن میں سب سے ضخیم اور معتبر کہ الہامی تصنیف مدقناوی رضویہ ہے جو بڑے سائز کی بارہ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے مسودہ کی ہر جلد قریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور ابتدائی چار جلدیں چھپ چکی ہیں۔

اعلیٰ حضرت کی دیگر سینکڑوں تصانیف کے علاوہ تفسیر، حدیث اور فقہ کی ان مشہور و متداول عربی کتب کی شرح و حواشی کو دیکھا جائے، جو آپ نے لکھے تو حیرت ہوتی ہے۔ ان غیر مطبوعہ علمی خزائن کا علمی معیار آپ کی مطبوعہ تصانیف کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کتابوں کے نام ملاحظہ ہوں جن کے حواشی آپ نے لکھے۔

تفسیر

- | | |
|-----------------------------|------------------|
| (۱) تفسیر بیضاوی | (۲) عنایت القاضی |
| (۳) معالم التنزیل | (۴) خازن |
| (۵) الالتقان فی علوم القرآن | (۶) الدر المنثور |

۱۵۔ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی مکمل فہرست مجلسِ رضا کے زیر اہتمام تیار ہو رہی ہے جوں ہی یہ مکمل ہو گئی عوام کے سامنے پیش کر دی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۶۔ بقیۃ تعالیٰ فتاویٰ رضویہ کی پانچویں جلد بھی پاکستان اور ہندوستان دونوں ملکوں میں چھپ چکی ہے۔

حدیث وغیرہ

فتح الباری	۳۱	خصائص کبریٰ	۱۹	صحیح بخاری	۷
ارشاد الساری	۳۲	کنز العمال	۲۰	صحیح مسلم	۸
نصب الرایہ	۳۳	ترغیب وترہیب	۲۱	ترمذی	۹
جمع الرسائل فی شرح الشماک	۳۴	کتاب الاسماء والصفات	۲۲	نسائی	۱۰
مرقاۃ المفاتیح	۳۵	القول البدری	۲۳	ابن ماجہ	۱۱
اشعۃ المعانی	۳۶	نیل الاوطار	۲۴	تقریب	۱۲
تجمع بحار الانوار	۳۷	المقاصد الحسنہ	۲۵	مستد امام اعظم	۱۳
فتح المفیث	۳۸	اللائلی المصنوعہ	۲۶	کتاب الحج	۱۴
میزان الاعتدال	۳۹	موضوعات کبیر	۲۷	کتاب الآثار	۱۵
العلل المتناہیہ	۴۰	الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ	۲۸	مستد امام احمد بن حنبل	۱۶
تہذیب التہذیب	۴۱	تذکرہ الحفاظ	۲۹	طحاوی	۱۷
خلاصہ تہذیب الکمال	۴۲	عمدة القاری	۳۰	دارمی	۱۸

فقہ وغیرہ

ہدایہ آخرین	۵۱	کشف الغمہ	۴۷	فرائح الرحموت	۴۳
میزان الشریعہ اکبریٰ	۵۲	شفا السقار	۴۸	حموی شرح الاشباہ والنظائر	۴۴
فتح القدر	۵۳	کتاب الخراج	۴۹	الاسعاف فی حکم الاوقات	۴۵
برائع الصنائع	۵۴	میین الحکام	۵۰	اتحاف الابصار	۴۶

۵۵	جوہرہ نیرہ	۲۲	کتاب الانوار	۷۷	مقودا الدررہ
۵۶	جوہر اخلاطی	۲۷	رسائل شامی	۷۸	فتاویٰ حدیثیہ
۵۷	مراقی الفلاح	۲۸	فتح المعین	۷۹	فتاویٰ بزازیہ
۵۸	تجمع الانر	۲۹	الاعلام بقواطع الاسلام	۸۰	فتاویٰ زرغیبیہ
۵۹	جامع الفصولین	۷۰	شفادہ المقام	۸۱	رسائل قاسم
۶۰	جامع الرموز	۷۱	طحاوی علی الدر المختار	۸۲	فتاویٰ غیاثیہ
۶۱	تبیین الحقائق	۷۲	فتاویٰ مالگیری	۸۳	فتاویٰ عزیز زریہ فارسی
۶۲	بحر الرائق	۷۳	فتاویٰ خانہ	۸۴	غناہ حبیبی
۶۳	رسائل الارکان	۷۴	فتاویٰ سراچیہ	۸۵	تفسیر شرح جامع صغیر
۶۴	غنیۃ المستملی	۷۵	خلاصۃ الفتاویٰ		
۶۵	فوائد کتب عدیدہ	۷۶	فتاویٰ خیرہ		

گویا جتنا کام کوئی پوری جماعت نہیں کر سکتی وہ تنہا اعلیٰ حضرت نے کر کے دکھا دیا آپ نے بعض نئے نئے پیش آمدہ مسائل کا حل بڑے محققانہ انداز پر کیا ہے۔ اختلافی مسائل کا فیصلہ ایسے دلائل کی روشنی میں کیا کہ مخالفین کو دم مارنے کی مجال اور موافق کے لیے دلائل میں اضافے کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔ ذیل میں ہم اس فقیہ اعظم کے بعض فتاویٰ کی جھلکیاں پیش کرتے ہیں جن سے فاضل بریلوی تکس سرفا کے فقہی مقام اور درجہ امامت کو سمجھنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے کیونکہ وہ

الفاظ کے نگر میں مطالب کی چاندنی

فقروں میں کلمتوں کی ضیاء ہے دھلی ہوئی

نوٹ: کتب تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ جن کتب پر حواشی لکھے ہیں ان کے نام درج

نہیں کیے گئے۔ صرف موضوع سے متعلق کتب کے اسماء کی فہرست پیش کرنے پر اکتفا کی گئی ہے۔

①

مسئلہ تقبیل الایہامین

سالہ ۱۳۰۰ھ میں اعلیٰ حضرت مجددین و ملت سے بایں الفاظ سوال ہوا: کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں کلمہ ”اشہد ان محمدًا رسول اللہ“ سن کر انگوٹھے چومنا، آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت کہ آپ کی عمر اسیس سال تھی، ایسا جواب تحریر فرمایا کہ چشم فلک نے ایسا جامع جواب اس مسئلے کا نہ دیکھا ہوگا۔ اولاً مقاصد الحسنہ، مسند الفردوس، موجبات الرحمة، تاریخ شمس الدین محمد بن صالح مدنی، شرح نقانیہ، کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ اور تکتہ مجمع بحار الانوار وغیرہ کے حوالوں سے اس فعل کا استحباب ثابت کیا۔ تقبیل الایہامین کا اثبات جن احادیث سے ہوتا ہے ان میں درجہ رفیع پر کوئی ایک حدیث بھی فائز نہیں ہے۔ مثلاً مقاصد میں ہے: ”لا یصح فی المرفوع من کل ہذا شیء اسی طرح مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات کبیرہ میں فرمایا: کل ما یروی فی ہذا فلا یصح دفعہ البتہ۔ یوں ہی علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے رد المحتار میں علامہ امین جراحی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا: لا یصح فی المرفوع من ہذا شیء۔ ایسے ہی بیانات و ارشادات کی روشنی میں منکرین حضرات نے تقبیل الایہامین کے انکار اور مرد و کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے بغض و عناد کے اظہار کی ٹھانی۔ بنیاد یہی عناد تھا جس پر انکار کی دیوار کھڑی کر دی۔ علمائے کرام نے تو مرفوع ہونے کا انکار کیا لیکن ان نراے محدثوں، انوکھے منفتیوں نے سیتہ زوری سے مداخلت فی الدین کر کے

جملہ احادیث کو بیک جنبش قلم ضعیف اور موضوع ٹھہرا دیا۔ متکرمین کا یہی حکم، رسالہ نافعہ در منیر العین فی حکم تعبیل الایمان کی تصنیف کا باعث ہے۔ مسئلہ کی مناسبت سے یہ فتویٰ اسی اسم سے مسخ ہوا اور مضمون مباحث کی رعایت سے تمہ کا مدالہ والکاف فی حکم الضعفات مد تاریخی نام رکھا گیا۔ آگے بحث کا آغاز یوں فرمایا گیا، جس نے اس فتوے کو معرکہ الاربابا دیا۔

”محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے

کہ غلط و باطل ہے بلکہ صحیح ان کی اصطلاح میں ایک اعلیٰ درجے کی حدیث

ہے جس کے شرائط سخت و دشوار اور موانع و عوائق کثیر و بسیار، حدیث

میں ان سب کا اجتماع اور ان سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے۔ پھر اس کی

کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر اس بحث کی تفصیل کی جائے

کلام طویل تحریر میں آئے۔ ان محدثین کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں

بھی کمی ہوئی فرمادیتے ہیں کہ حدیث صحیح نہیں۔ یعنی اس درجہ علیا کو نہ پہنچی۔

اس سے دوسرے درجے کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ یہ بات کہ صحیح نہیں۔

پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حسن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا

ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند رتبہ سے جھکا ہوتا ہے۔“

(منیر العین ص ۱۴)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دعویٰ کا حلیہ شرح منیہ، صواعق محرقة، اذکار

امام نووی کی تخریج احادیث لابن حجر عسقلانی، نزہتہ النظر تو ضیح نجاتہ الفکر لابن حجر عسقلانی،

موضوعات کبیر مولانا علی قاری، جواہر العقیدین فی فصل الشریعین مولانا نور الدین علی سمودی،

شرح مواہب زرقانی، شرح صراط مستقیم شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

وغیرہ کی صریح عباراتوں سے ثبوت پیش کیا۔

پھر امام بدر الدین زرقانی کی کتاب الفکت علی ابن الصلاح، خاتم الحفاظ، علامہ جلال الدین

سیوطی کی لالی، امام علی بن محمد بن عراق کی تنزیہہ الشریعۃ المرغوبہ، علامہ محمد طاہر نقوی کے قائمہ مجمع بہار الانوار، موضوعات لابن جوزی، امام بن حجر عسقلانی کی القول المسد فی الذب عن مستاحدا، امام سیوطی کی التعقیبات علی الموضوعات، مولانا علی قاری کی موضوعات، علامہ زرقانی کی شرح مواہب وغیرہ کتب کے حوالہ جات سے ثبوت دیا کہ محدثین کے "دلایلیح" کہنے سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

اس کے ساتھ ہی فتح القدیر، علیہ، مرتاۃ (مولانا علی قاری) وغیرہ کتب سے ثابت کیا کہ سند کا منقطع ہونا مستلزم وضع نہیں بلکہ تعقیبات کے تین حوالوں سے واضح کیا کہ حدیث مضطرب بلکہ منکر بلکہ مدرج بھی موضوع نہیں بلکہ راوی مبہم ہر تب بھی حدیث کو وضعی نہیں ٹھہرایا جاسکتا نیز امام ابن حجر عسقلانی کی توت الحجاج، امام سیوطی کی تعقیبات، امام نودی کا مقدمہ منہاج، حافظ شمس الدین ذہبی کی تاریخ، امام سیوطی کی لالی اور تدریب کے حوالوں سے ثابت کیا کہ اگر محدثین کسی حدیث کو سند کے ضعف کی وجہ سے ضعیف کہہ دیں پھر بھی اس کو موضوع کہنا ظلم ہے۔

آگے امام ذہبی کی میزان الاعتدال، امام سیوطی کی لالی و تعقیبات، امام بدر الدین زکشی کی کتاب النکت علی ابن الصلاح، موضوعات ابوالفرج، امام سخاوی کی فتح المغیث، مولانا علی قاری کی موضوعات کبیر، مسد، کتاب الاصابہ، مولانا علی قاری کا حاشیہ نزہت الخاطر، شرح مواہب لدنیہ زرقانی، حرز ثمین شرح حصن حصین اور مقاصد حسنہ وغیرہ کی عباریں پیش کر کے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”بحمد اللہ تعالیٰ فقیر آستان قادری غفر اللہ تعالیٰ لہ کے ان گیارہ افادات نے ہر نیم روز و ہر نیم ماہ کی طرح روشن کر دیا کہ احادیث تقبیل ایہا میں کو وضع و بطلان سے اصلاً کچھ علاقہ نہیں۔ اُن پندرہ عیبوں سے اس کا پاک ہونا بدیہی اور یہ بھی صاف ظاہر کہ اس کا مدار کسی وضاع، کذاب یا

متسم بالکذب پر نہیں۔ پھر حکم وضع محض بے اصل و واجب الدفع، ولہذا علمائے کرام نے صرف لَا یُصِحُّ فرمایا۔ یہاں تک کہ وہابیہ کے امام شوکانی نے بھی ہانکا ایسے موقعہ میں سخت تشدد اور بہت مسائل میں بے معنی تفریق کی عادت ہے، قواعد مجموعہ میں اسی قدر پر اتسار کیا اور موضوع کتنے کا راستہ نہ ملا۔ اگر بالفرض کسی امام مجدد کے کلام میں حکم وضع واقع ہوا ہو تو وہ صرف کسی سستہ خاص کی نسبت ہو گا نہ کہ اصل حدیث پر جس کے لیے کافی سندیں موجود ہیں، جتنیں وضع واضعین سے کچھ تعلق نہیں۔ (منیر العین ص ۳۵)

اس ضمن میں ”ذبحۃ الفکر“ سے اسباب طعن کی دس قسمیں بیان فرمائیں۔ یعنی:-
 ۱۔ کذب ۲۔ تممت ۳۔ کثرت غلط ۴۔ غفلت ۵۔ فسق ۶۔ وہم ۷۔ مخالفت ثقات
 ۸۔ جہالت ۹۔ بدعت ۱۰۔ سوئے حفظ۔

مذکورہ بالا تصانیف کے متعدد حوالہ جات سے اپنے نظریے کو موکد کرنے کے لئے فرمایا:-

”ایسے غافل شدید الطعن کی حدیث بھی موضوع نہیں۔“ (ص ۲۴)
 جن اسباب سے موضوعیت ثابت ہو سکتی ہے ان کا شمار پندرہ تک پہنچا کر،
 نا طور پر ارشاد فرمایا:-

”یہ پندرہ باتیں ہیں کہ اس جمع و تلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوا نہیں۔“

(منیر العین ص ۲۹)

پھر مرثاۃ، موضوعات کبیر، فتح القدر، میزان الشریعۃ الکبریٰ، صواعق محرقة، تعقیبات یمیر
 شرح جامع صغیر، مراجع المنیر، شرح عقائد نسفی، منخ الروض الازہر، قوت القلوب فی معامرتہ المحیوب،
 ربیعین ذوی، شرح مشکوٰۃ لابن حجر مکی، حزن شین، مقاصد حسنہ، مقدمہ امام ابو عمرو ابن الصلاح،
 مقدمہ جرجانیہ، تقریب النووی، تدریب الراوی، کتاب الاذکار، حدیقہ ندویہ، العقد النفید،

غنیۃ المستملی، علیہ شرح منیہ، میزان الشرعیہ۔ رسالہ دعائیہ مصنفہ خرم علی بلہوری اور مظاہر حق وغیرہ کتب کی روشن تصریحات سے ثابت کیا کہ:-

۱۔ تعدد طرق سے ضعیف حدیث بھی قوت پالیتی بلکہ حسن ہو جاتی ہے۔

۲۔ حدیث مبہم و مجہول تک تعدد طرق سے حسن ہو جاتی ہے۔

۳۔ دو سندوں سے آنا بھی قوت کے لیے کافی ہے۔

۴۔ اہل علم کے عمل کر لینے سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔

۵۔ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث حجت اور اس پر عمل کرنا مستحب ہے۔ بعدہ

دنیا کے اسلام کے اس مفتی اعظم نے فرمایا:

کبرائے وہابیہ بھی اس مسئلہ میں اہل حق سے موافق ہیں، مولوی خرم علی رسالہ

دعائیہ میں لکھتے ہیں۔ مضعفات و فضائل اعمال و فیما نحن فیہ باتفاق علماء معمول

بہا است۔ الخ مظاہر حق میں راوی حدیث صلوٰۃ ادا میں کا منکر الحدیث ہونا امام

بخاری سے نقل کر کے لکھا، اس حدیث کو اگرچہ ترمذی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے

لیکن عمل کرنا حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں باتفاق جائز ہے۔

نہا کریدن پونچھنا، وضو میں گردن کا مسح کرنا اور تلقین وغیرہ امور ضعیف احادیث سے

ثابت ہیں (شرح مینتہ المصلی، موضوعات کبیر) اس کے باوجود انہیں مستحب شمار کیا جاتا ہے۔

اس کی تعدد و مثالیں موجود ہیں۔ ان سب باتوں سے قطع نظر اعلیٰ حضرت نے احادیث سے اس

امر کو ثابت کیا کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا چاہیے جبکہ خلاف صحیح حدیث نہ ہو۔

چنانچہ دارقطنی، ابن حبان، کتاب العلم، مسند امام احمد، ابن ماجہ، فوائد خلعی، ابویعلیٰ اور طبرانی

وغیرہ سے فرامین رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش کیے۔ پھر اس مسئلے کی روح

کو احادیث سے ثابت کر کے فرمایا:-

مہ جب اس نے اپنی صدق نیت سے اس پر عمل کیا اور رب بجز جلالہ سے

اس نفع کی امید رکھی تو مولیٰ تبارک و تعالیٰ اکرم الاکرمین ہے اُس کی امید ضائع نہ کرے گا، اگرچہ حدیث واقع میں کیسی ہی ہو۔ (منیر العین ص ۴۷)

مقدمہ امام تقی الدین شہر زوری، تقریب و تدریب، فتح البین، موضوعات کبیر، میزان الشریعہ، کشف الغمہ، ایواتیت و الجواہر وغیرہ کی عبارتیں پیش کیں جن کا یہ مفاد کہ محدثین کا ضعیف کتنا حدیث کی سند کے متعلق ہے لیکن ممکن ہے کہ کسی حدیث کی سند ضعیف ہو اور حقیقت میں وہ اعلیٰ درجے کی صحیح ہو۔

بدھ کے دن پچھنے لگوانا، ہفتے کے دن خون لینا، بدھ کے دن ناخن تراشنا، وضو کے بعد انا نزلنا پڑھنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کا گوارے میں باتیں کرنا، سفید مرغ رکھنا، خرقة پوشی، پھول سونگھتے وقت درود شریف پڑھنا۔ وضو کے وقت کی دعائیں اور ستر ہزار کلمہ شریف پڑھنے پر گویا جان خریدنا وغیرہ ایسے امور ہیں جن سے آخری پانچوں موضوع احادیث میں مذکور ہیں اور اول الذکر باقی ضعیف احادیث سے ثابت۔ اس کے باوجود علمائے کرام کے نزدیک یہ معمول و مقبول اور مندوب و مستحب۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعقیبات، لالی، مسند الفردوس، تاریخ ابن عساکر، نسیم الریاض، مقاصد حسنہ، حلیہ، میزان الشریعہ الکبریٰ، تیسیر، تدریب، اتحاد الفرقہ بوصول الخیرۃ، صحیح مختار، اطراف مختارہ، مجمع بہار الانوار، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی جلد دوم سے مذکورہ امور کو مستحب ثابت کیا ہے اور دکھایا ہے کہ خود ان علمائے کرام نے مذکورہ امور کے متعلق احادیث واردہ کو ضعیف اور موضوع بھی قرار دیا ہے۔ اس پر اتمام حجت کے لیے دنیا کے اسلام کے مفتی اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”مگر بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا مطلب ہر قول پر حاصل، ہم افادات سابقہ میں مبراہن کر کے ہیں کہ تقبیل ابہامین کی حدیثیں ہر گونہ ضعیف شدید سے پاک و منزہ ہیں، ان پر صرف انقطاع یا جہالتِ راوی سے طعن کیا گیا، یہ ہیں بھی

تو ضعفِ قریب نہ ضعفِ شدیدؑ

(منیر العین فی حکم تقبیل الابیہا میں ص ۷۲)

مخالفین کا شگوفہ چھوڑنا کہ تقبیل ابہا میں کی حدیثیں کتب طبقہ رابعہ سے ہونے کی بنا پر ناقابلِ قبول ہیں اُن کے اس عذرِ ننگ اور حکم کا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کی تصانیف سے جواب دیا گیا ہے کہ کتب طبقہ رابعہ کی تمام احادیث ضعیف نہیں بلکہ ان میں حسن بھی ہیں۔

یزان الشریعہ اکبری، کتاب التریغیب، نسیم الریاض، مواہب لدنیہ، وارج النبوة منہا الصغافی تخریج احادیث الشفاء، طحاوی حاشیہ در مختار کے حوالوں سے ثابت کیا کہ تقبیل ابہا میں کی حدیثیں اگر موضوع بھی ہوتیں تو غایت درجہ عدم اثبات ٹھہرتا، لیکن فعل کی ممانعت کا کیا ثبوت؟ امام اہل سنت کی زیباتی سنیے!

”بالفرض حدیث موضوع و باطل ہی ہو، تاہم موضوعیت حدیث، عدم

حدیث ہے، نہ حدیث عدم رائل کا اصل صرف اتنا ہوگا کہ اس بارے میں کچھ وارد نہ ہوا، نہ یہ کہ انکار و منع وارد ہو اسباب اصل فعل کو دیکھا جائے گا۔ اگر قواعد شرع ممانعت بتائیں، ممنوع ہوگا ورنہ اباحتِ اصل پر رہے گا اور یہ بنیت حسن، حسن و مستحسن ہو جائے گا۔“

(منیر العین فی حکم تقبیل الابیہا میں ص ۷۳)

امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جملہ ابجاث کے تحت سرخیل علمائے دیوبند جناب گنگوہی صاحب کے اعتراضات نیز اُن کی جملہ این و اُن اور چین و چیاں کے مسکت جوابات دیے۔ علمائے بریلی، بدایوں، مصطفیٰ آباد، رام پور اور بمبئی نے دستخط و مواہیر کے ساتھ آپ کی تصدیق و تائید فرمائی۔ بعدہ اصولی طور پر منکرین سے آپ نے یوں سوال کیا:-

بافرض کچھ نہ بھی تو اقل درجہ اس فعل کو اعمالِ مشائخ سے ایک عمل سمجھیے کہ بغرض روشنائی بصر معمول، ایسی جگہ ثبوتِ حدیث کی کیا ضرورت؟ صیغہٴ اعمال میں تصرف و استخراجِ مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے۔ ہزاروں عمل اولیائے کرام بتاتے ہیں کہ باعثِ نفع بندگانِ خدا ہوتے ہیں۔ کوئی ذی عقل حدیث سے ان کی سندِ خاص نہیں مانگتا، کتب ائمہ و علماء و مشائخ و اساتذہ شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز اور خردان بزرگواروں کی تصانیف ایسی صدہا باتوں سے مالا مال ہیں۔ انہیں کیوں نہیں بدعت و منوع کہتے؟ (میرالین ص ۱۰۲)

چونکہ مخالفین کا بدعت کی رٹ لگانا یا عدم ثبوت کا شور مچانا یا احادیث متعلقہ کو ضعیف و موضوع وغیرہ بتانا اور بغیر ثبوت ممانعت کرنا قلبی مرض کے سوا اور کچھ نہیں اسی لیے اعلیٰ حضرت نے ان پر حجت الہی یوں تمام کی:

”عزیزو! خدرا انصاف، ذرا شاہ ولی اللہ کی قول الجمل کو دیکھو اور ان کے والد و مشائخ وغیرہم کے احترامی اعمال کا تماشا کرو۔ درد سر کے لیے تختے پر ریتا بچھاتا، کیل سے ابجد صوز لکھتا، چیچک کو نیلے سوت کا گنڈا بنانا۔ پھونک پھونک کر گرہیں لگانا۔ اسمائے اصحاب کف سے استعانت کرنا۔ انہیں آگ، لوط، چوری سے امان سمجھنا، دیواروں پر ان کے لکھنے کو آمد جن کی بندش جاننا۔ رنج جن کو چار کیس گوشہ ہائے مکان میں گاڑنا۔ عقیمہ کے لیے گلاب و زعفران سے ہرن کی کھال لکھنا۔ یہ کھال اس کے گلے کا ہار کرنا، استقامت حمل کو کسم کارنگ گنڈا نکالنا، عورت کے قد سے ناپنا۔ گن کر نوگرہیں لگانا، چور کی پہچان کا عمل نکالنا، سین پڑھ کر رونا گھمانا، بنجار کو عیسیٰ، موسیٰ و محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قسمیں دینا۔ مصروع کو تانبے کی تختی پر دوا سم کھدوانا۔ پھر تعین یہ کہ دن بھی خاص اتوار ہو، اس کی بھی پہلی ہی ساعت میں کارہ ہو۔ اس کے سوا

صد ہا تیں۔ ان میں کونسی حدیث صحیح یا حسن یا ضعیف ہے؟ یہ قرآنِ ثلاثہ میں کب تھیں؟ اور جب کچھ نہیں تو بدعت کیوں نہ ٹھہریں؟ شاہ صاحب اور ان کے والد ماجد و فرزند ارجمند و اساتذہ و مشائخ معاذ اللہ بدعتی کیوں نہ قرار پائے؟ یہ سب تو بے سند حلال و نفائس اعمال گرافان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر انگوٹھے پوٹنا، آنکھوں سے لگانا، اس سے روشنی بصر کی امید رکھنا کہ اکابر سلف سے ماثور، علماء و صلحاء کا دستور، کتب فقہ میں مسطور۔ یہ معاذ اللہ حرام و وبال و موجب ضلال۔ تو کیا بات، یہاں نام حضور سید المجتہدین صلی اللہ علیہ وسلم درمیان ہے لہذا وہ دلوں کی دلی آگ کو بھیلہ بدعت شعلہ فشاں ہے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوشش

من انداز قدرت رامی شناسم (میر العین ص ۱۰۳)

اس مسئلہ تقبیل ابہامین میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے علم اصول حدیث کو جس طرح بیان کر کے رکھ دیا اور تقبیل ابہامین کا بے جا انکار کرنے والوں کی ہر راہ فرار بند کی ہے اس کی احقر نے صرف ایک جھلک پیش کی ہے، انہوں نے اس موضوع پر جو دریا بہائے ہیں اس سے ان کی فضیلت علمی کا صحیح اندازہ، اصل کتاب "میر العین فی حکم تقبیل ابہامین" کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے کہ یہ انیس ۲۹ سالہ معنی گو یا علم کا ایک بجز بیکراں، گلشن مصطفوی کا بہلِ نعمہ خراں اور مخالفین کے حق میں برہان الہی کی تیغ برائے تھا اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ مجدد دوران تھا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تاناہ بخشد خدائے بخشندہ



سَمَاعِ مَوْتِی

بعض علمائے دیوبند نے اہل سنت ہونے کا دعویٰ کرتے اور حقیقت کا دم بھرتے ہوئے معتزلہ کے اتباع میں ادراک و سماعِ موتی کا انکار کرنا شروع کر دیا۔ اسی زمانے میں ان کے ایک مولوی صاحب کا فتویٰ سیدنا علیؑ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ امان سے گزرنا بزرگانِ دین کو اینٹ پتھروں کی طرح ٹھہرائے جانے پر مجددِ دین و ملت نے جب کہ آپ کی عمر تریس تیس سال تھی ایسا مسکت جواب تحریر فرمایا کہ بزرگانِ دین یعنی اولیائے عظام اور علمائے اسلام کی مقدس ارواح کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، ان کے ناموس کا وہ دفاع کیا کہ مسلمانوں کے گلوں میں احسان کی ہیکلیں ڈال دیں۔ اس معرکہ الآراءِ جوابی فتاویٰ کے تاریخی نام "حیاتِ الموت فی بیان سماعِ الاموات" ہے۔ اس کا منظر علیؑ حضرت کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:-

”یہ مجالہ نہ صرف سماعِ موتی کا ثبوت دے گا بلکہ بحول اللہ تعالیٰ خوب واضح

کرے گا کہ حضراتِ اولیاء بعد الوصال زندہ اور ان کے تصرف و کرامات پائندہ

اور ان کے فیض بدستور جاری، اور ہم غلاموں، خادموں، محبوں، معتقدوں

کے ساتھ وہی امداد و اعانت دیا رہی“ (حیاتِ الاموات ص ۳)

بظاہر حنفی بہ باطن معتزلی کے مذکورہ فتوے میں، اموات سے خطاب کو اسے سمیع و بصیر

علی الاطلاق ماننا ٹھہرا کر اسے شرک یا ادنیٰ درجہ شائبہ و شبہ شرک ہونا قرار دیا۔ نیز کہا کہ درمیان

زائر و مقبور حجبِ عدیدہ سمع و بصیر حائل تو سماعِ اموات اور بصارتِ محال“ (ملخصاً)

اس تحریر پر اہل سنت کے بے مثل مفتی نے تصانیفِ علمائے اہل سنت کی روشنی

میں پینتیس^{۲۵} ایسے اعتراضات کیے جو مخالفین کے کسی عالم سے آج تک رفع نہ کیے جاسکے۔ پھر اکابر خاندان سزیزی کے اقوال سے ان کے خیالات کا رد کیا، ساتھ ہی منکرین جو۔
 اذبح لا تقسم الموتیٰ“ سے غلط استدلال کرنے بیٹھ جاتے تھے۔ ان کے بیانات پر مفصل رد مل تیسرہ کر کے ان کے دعوے کو دلیل سے بے گناہ ثابت کیا۔

اس کے بعد سبقت کو دوسرا رنگ دے کر احادیث سے ثابت کیا کہ :-
 اربوت کے بعد بھی روح اور صفات افعال روح کو لقا ہے۔ اس امر کا امیس^{۱۹}
 حدیثوں سے ثبوت دیا۔

۲۔ اہل قبور کا سماع و ادراک اور اجساد کا ان سے جیسا کرنا دو حدیثوں سے مدلل کر کے چار حدیثوں سے ثابت کیا کہ زندوں کے آنے، پال بٹھنے اور بات کرنے سے مردوں کا جی بہتا ہے۔ اٹھ حدیثوں سے ثبوت دیا کہ زندوں کی بے انتہائی سے مردوں کو ایذا پہنچتی ہے۔ تیرہ^{۱۳} حدیثوں سے میراٹن کیا کہ مرد سے زائروں کو پہچانتے ان کا سلام و کلام سنتے اور جواب دیتے ہیں بلکہ جو توں کی آہٹ تک سنتے ہیں۔ کفار مقتولین بدر سے کلام کرنے کے بارے میں چھ تلقین میت کے متعلق چار اور صحابہ کرام کا اہل قبور سے کلام فرمانا بھی چار حدیثوں سے ثابت کیا۔ غرضیکہ تنزلاً ساٹھ اور حقیقتاً پچھتر احادیث سے مذکورہ امور کو اظہر من الشمس کر کے روئے ايقان پر احسان کا غارہ چڑھایا، جس سے گلشن عقیدت کے غنچے چٹک گئے اور بیابان امتزال میں بھگنے والے دم بخود رہ گئے۔

اس کے بعد تیسرا رنگ دیا گیا۔ چونکہ امتزال پسند حضرات خود کو اہل سنت بتاتے، حقیقت کا دم بھرتے اور حشمتی قادری، سروردی، نقشبندی ہونے کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں، اگرچہ یہ سب باتیں ان کی اصطلاح میں بدعت بلکہ صریح شرک ہیں (کذافی تذکیر الاخوان و تنزیر العینین)، ان کے ان دعویٰ کی تلقین کھولنے کی غرض سے امام اہل سنت نے ساتیس صحابہ کرام

اکیس تابعین عظام اور دوسو پانچ مسلمہ علمائے اسلام کے اقوال و ارشادات کی روشنی میں مردوں کے متعلق مذکورہ امور کو ثابت کیا اور اُمتِ محمدیہ و ملتِ اسلامیہ کا نظریہ واضح کیا۔ ساتھ ہی الزامی حجت یوں بھی قائم فرمادی کہ خاندانِ عزیزی کے اکابر کی تصانیف سے ایک سو اقوالِ نجدیت سوز پیش فرمائے۔

مقام غور ہے کہ موتی کے لیے ادراک و سماع ماننا اگر شرک ہوتا تو مذکورہ صحابہ کرام تابعین عظام اور علمائے اسلام کے مسلمان ہونے کی کیا صورت ہے؟ کیا یہ سب حضرات حتیٰ کہ سارا خاندانِ عزیزی شرک میں گرفتار تھا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ یہی منکرین حضرات، پوری اُمتِ محمدیہ کے مخالف اور معتزلہ کے نعین بردار ہیں۔ اگر ان حضرات کا خاندانِ عزیزی کے اکابر اہل سنت سے، تابعین و صحابہ تک سے کوئی واسطہ اور تعلق ہوتا تو ہرگز ان بزرگوں کے نظریات کو غلط ٹھہرا کر معتزلہ کے ہم نوا نہ ہوتے۔ (لعوذ باللہ من ذالک)

ایہ حضرات نے اپنے بیانات کو علمائے حرمین طہیین کی تصدیق و تائید سے مزین کر کے تکمیلِ جہیل سے صورتِ مسئلہ کا حسنِ جہیل اور نمایاں کیا، جس سے واضح ہوا کہ ارواحِ مومنین کو اجازت ہوتی ہے کہ آسمان و زمین میں جہاں چاہیں پھریں، بزرگوں کا دور اور نزدیک سے سننا کیسا ہے، انہیں دور سے پکارنا ہرگز شریعتِ مطہرہ کے خلاف نہیں بلکہ لغتِ خداوندی کا اظہار و اقرار ہے۔ ہاں کوئی بزرگوں کو خدا ماننے یا صفاتِ خداوندی کا حامل جانے تو ایسے کے کافر و شرک ہونے میں کیا کام ہے؟ لیکن اس کے برعکس انہیں خدا کا بندہ اور باذن اللہ بندگانِ خدا کا مین و مددگار جانے اور ان کے وسیع ادراک و علم و سمع کی بنا پر، جو انہیں ان کے پروردگار نے خوش ہو کر مرحمت فرمائے ہیں۔ دُور سے پکارے تو پکارنے والے کو شرک بتانا معجزات و کرامات اور بزرگوں کی عظمت کا کھانا انکار ہے ورنہ اس صورت میں شرک کیسا؟ شرک کا تو ادنیٰ شائبہ و شبابہ تک نہیں۔

منکرین سماعِ موتی۔ مسئلہ عین کو اپنی ڈھال بناتے تھے لیکن اس وارثِ علوم پھیرنے

”الوفاق المتین بین سماع الدین و جواب الیمین“ کے نام سے جواب دے کر اُسے رسالہ ”حیات الموات“ کا گویا تکملہ بنا دیا۔ اس میں حکمران کے تمام پیش کردہ دلائل کو دعوے سے لائق ثابت کیا، کتبِ ہریش، نقہ، تفسیر اور اصول کے حوالہ جات کی روشنی میں پچاس سے زائد دلیلوں اور سوسے زائد قاہر اعتراضوں سے وہ ردِ بلیغ فرمایا کہ لب کشائی کی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔ الحمد للہ کہ مجددِ دین و ملت کا یہ مبارک رسالہ اولیائے کرام کی کرامتوں، عظمتوں کا منظر تقریباً چوراسی سال سے لاجواب ہے اور تا قیامت لاجواب رہے گا،

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم



جمع بین الصلوٰتین

۱۳۱۳ھ میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ سفر و حضر میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھ لینا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ غیر مقلد حضرات اس کے قائل اور عامل ہیں نیز میاں نذیر حسین صاحب دہلوی نے اپنی کتاب ”مدعیارالحق“ میں بلند بانگ دعویٰ کے ساتھ اس مسئلے پر بحث کی اور حنفی مسلک کو احادیث کے خلاف قرار دیا تھا لہذا حضرت فاضل بریلوی نے جبکہ آپ صرف اکتالیس برس کے تھے، محدث کملانے والے میاں صاحب کے دلائل کا جواب دینا ضروری سمجھا اور ایسا عالمانہ، مجددانہ رو کیا کہ میاں صاحب اور ان کے تلامذہ میں سے آج تک کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ ان روشن دواغ دلائل کا جواب دے۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں یہ مبارک فتویٰ ص ۲۰۷ سے ص ۲۰۵ تک مدعا جزا بجزین الرواتی عن جمع الصلوٰتین“ کے نام سے بڑے سائز کے اٹھانوے صفحات پر مشتمل ہے۔

بلحاظ دلائل مسئلے کا حکم شرعی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یہ ہے:-

”احادیث میں کہ حضور پر نور صلوٰت اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے جمع منقول

اس میں صراحتاً وہی جمع صوری مذکور یا مجمل و محتمل اسما صریح مفصل پر محمول۔

جمع حقیقی کے باب میں اصلاً کوئی حدیث صحیح صریح مفسر وار نہیں۔ جمع تقدیم تو

اس قائل بھی نہیں کہ اس پر کسی حدیث صحیح کا نام لیا جائے۔ جمع تاخیر میں

احادیث صحیحہ کے خلاف دو حدیثیں ایسی آئی ہیں جن سے بادی النظر میں

دھوکا ہو مگر عند التحقیق جب احادیث متنوعہ کو جمع کر کے نظر انصاف

کی جائے تو فوراً حق ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ بھی وجہاً و امکاناً اسی جمع صوری کی
خبر دے رہی ہیں۔“ (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۲۱۰)

میاں صاحب نے جو بزرگم خویش تحقیق پیش کی تھی اس کے متعلق ناضل بریلوی رحمۃ اللہ
علیہ کا بیان ملاحظہ ہو:-

”نفس مسئلہ میں بھی ملاجی نے اپنے موافق کہیں چودہ کہیں پندرہ صحابیوں
سے روایات انا بیان کیا اور خود ہی اسے بگاڑ کر کمی کی طرف پلٹے اور چار
سے زیادہ ظاہر نہ کر سکے۔ ان میں بھی عند الانصاف کچھ گنتی ہوئی بات ہے
تو صرف ایک سے۔ میں بعونہ تعالیٰ اپنے موافق تیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ
عنہم سے لاؤں گا۔ ملاجی صرف چار حدیثیں پیش خویش اپنے مفید دکھا
سکے، جن میں حقیقتاً کوئی بھی ان کے مفید نہیں اور آیت کا تو ان کی طرف نام
بھی نہیں۔ میں بجز اللہ تعالیٰ ان سے دونی آیتیں (اٹھ آیات) اور دس
گنی حدیثیں (چالیس احادیث) اپنی طرف دکھاؤں گا۔ میں یہ بھی روشن کر دوں گا
کہ حنفیہ کرام پر غیر مقلدوں کی طعنے زنی ایسی ہی پوچھ لچرے بنیاد ہوتی ہے۔
میں یہ بھی بتا دوں گا کہ ان صاحبوں کے عمل بالحدیث کی حقیقت آہی ہے۔
میں یہ بھی دکھا دوں گا کہ ملاجی صاحب جو آج کل مجتہد العصر اور تمام طابفہ
کے استاد مانے گئے ہیں ان کی حدیث دانی ایک متوسط طاب علم سے
بھی گرے درجے کی ہے۔“ (جلد دوم ص ۲۱۲)

اعلیٰ حضرت ناضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً جمع صوری کے اثبات میں دس احادیث
مع ان کے مختلف طرق کے پیش فرمائیں۔ ان کے متعلق جو ”معیار الحق“ میں اعتراضات جڑے
بزدل زبان و قلم، صحاح ستہ تک بلکہ صحیحین کی روایتوں میں کیڑے ڈالے، الزامات عامہ کیسے
چاند پر وصول پھینکی۔ اس سارے ”کارنامے“ کی مفصل اور مدلل حقیقت بیان کی گئی۔

جس سے انگریزوں کے بنائے ہوئے شمس العلماء کی حدیث دانی کی حقیقت و حیثیت عالم
 آشکار ہو جاتی ہے اور اس سے قبل تیس صحابہ کرام سے احادیث صحیحہ مشہورہ کے ذریعے
 جمع صوری کا اثبات مع ابجاث مفید ضروریہ متعلقہ اظہر من الشمس کیا، جس کی نظیر نہیں ملتی۔
 ”معیار الحق“ میں میاں صاحب نے دعویٰ فرمایا تھا:۔ احادیث صحاح جو جمع بین الصلوٰئین
 پر قطعاً اور یقیناً دلالت کرتی ہیں، اس بلند بانگ دعوے کی شق اول یعنی جمع تقدیم کی
 عمارت دو حدیثوں کو توڑ مروڑ کر ان کے اوپر تعمیر کی تھی۔ حدیث اول کو جمہور ائمہ حفاظ کی
 روایت سے ہٹا کر لیث بن سعد کی غریبہ شاذہ روایت کو نقل کر دیا۔ حالانکہ امام بخاری کے
 نزدیک یہ روایت خالد بن قاسم مدائنی متروک بالاجماع مطعون بالکذب کی جعل سازی ہے۔
 حاکم نے اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے۔ دیگر ائمہ محدثین و شارحین نے اسے
 قبول نہیں کیا۔ حالانکہ اسی حدیث کے دوسرے طرق سے جمع صوری کا واضح طور پر اثبات
 ہوتا ہے۔ بس یہی میاں جی کی فائدہ ساز مہتدی تھی کہ روایات صحیحہ سے عدول اور غریبہ
 و شاذہ قبول کر لیتے تھے۔

حدیث دوم جو صحیحین میں ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے جس کا جمع حقیقی سے
 دور کا بھی تعلق نہیں، پیش کی تھی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے محدثین کرام اور شارحین عظام کی روشن
 تصریحوں کے ساتھ میاں صاحب کے دعویٰ کے بارہ رد کیے۔ جناب والانے اس
 میں ”فا“ کو بے ترتیب سہلت قرار دیا تھا، اس کو زعم باطل ثابت کیا گیا۔ نیز دکھایا گیا کہ ائمہ
 حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ بالاتفاق یہی فرماتے ہیں کہ: ”لیس فی تقدیر الوقت حدیث
 قائلہ“

جمع تاخیر پر بھی میاں صاحب نے دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ پہلی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ سے۔ اس سے مصنف ”معیار الحق“ کے دعوے کی تردید میں محدثین و شارحین کی تصریحات
 سے حق تحقیق ادا کیا۔ قریب دقت کو اس دقت کہنے کی دو آیات اور بارہ حدیثوں سے

مثالیں پیش کیں۔ احناف کے نزدیک مغرب کی نماز کا وقت جو شفقِ اہمیں تک ہے اسے روایتاً صحیح اور درایتاً راجح ثابت کیا گیا۔

دوسری حدیث جو انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اس پر ہر پہلو سے بحث کی جس کے پچیس مدلل جواب دیے اور ان کو صرف تین میں سمویا۔ پھر دس احادیث سے ثابت کیا کہ نماز کے اوقات کا حقیقی علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو تھا اور آپ کے طفیل اجلہ مذاق صحابہ کرام کو۔ اسی ضمن میں بتایا کہ مکہ مکرمہ اور مقامِ سرف میں دس میل فاصلہ بتانے والا کون ہے اور مدینہ منورہ سے ذوالحلیفہ اور فات الجیش کے فاصلوں میں اختلاف کثیر دکھایا۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کا صحیح فاصلہ بتایا۔ آخر میں اتمامِ حجت کی غرض سے سات آیات اور تیس حدیثوں (حقیقتاً چالیس احادیث) سے نماز کے اوقات کی محافظت کا صریح حکم دکھایا جس سے جمع حقیقی کے اثبات کا تصور بھی مٹ گیا۔

آخر میں مجدداتہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ نے میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کو یوں ہمدردانہ نمائش کی :-

”اگر خود حضرت کی حدیث دانی اتنی ہی ہے تو خدارا، خدا و رسول سے حیا

کیجیے، اپنے دین و دھرم پر دیا کیجیے۔ یہ منہ اور اجتہاد کی لپک، یہ طاقت اور مجتہدین پر ہمک، علم و فہم کے تو اٹھو دس برس کسی ذی علم مقلد کی کنش برداری کیجیے، حدیث کے متون، شروح اور اصولِ رجال کی کتابیں سمجھ کر پڑھ لیجیے اور یہ نہ شرمائیے کہ بوڑھے لوطوں کے پڑھنے پر لوگ ہنستے ہیں۔ ہنسنے دو ہنستے گھر بستے ہیں۔ اگر علم مل گیا تو عین سعادت یا طلب میں مر گئے توجیب بھی

شہادت بشرطِ صحت ایمان و حسن نیت“ (قاوی رضویہ جلد دوم ص ۳۰۱)

آخر میں دس نمبروں کے تحت پوری بحث کا خلاصہ بیان کر کے مسلمانوں کو یوں

ناصحانہ اور مشفقانہ نمائش کی ہے۔

مداح محمد مصدق مصلیٰ ہوا اور آفتاب حق تمغلی رحمن جن احادیث سے جمع بین الصلوٰتین
 کا ثبوت، نہ سہل ثبوت، بلکہ قطعی ثبوت زعم کیا گیا تھا، واضح ہوا کہ ان میں ایک
 حدیث ثبتہ مقال نہیں، مذہب حنفی اثبات صوری و نفی حقیقی دونوں میں
 بے دلیل بتایا تھا۔ روشن ہوا کہ قرآن و حدیث اسی کے موافق، دلائل ساطحہ
 اسی پر ناطق، جن میں رد و انکار کی اصلاً مجال نہیں اور بعونہ تعالیٰ بطفیل
 مسئلہ وہ تازہ مجملہ، کمنہ مشغلہ، ادعائے عمل بالحدیث کا اشتغلا، اس کا
 بھرم بھی من مانا کھلا، کہ ہوا سے غرض، ہوس سے کام اور اتبایع حدیث کا نام
 بدنام پیرانے پرانے حد کے سیانے، جب اپنی سخن پروری پر اُٹیں، صحیح
 حدیثوں کو مردود بتائیں، تقدائمہ کو مطعون بتائیں، بخاری و مسلم پس پشت
 ڈالیں۔ ان کے روادے و اسانید میں شاخسانے نکالیں، ہزار چھل کریں، سو
 ہزار تیج، جیسے بنے سب صحیح حدیثیں، بیچ امام مالک و امام شافعی کی
 تقلید حرام، نہ فقط حرام کہ شرک کا پیغام، مگر جب حنفیہ کے مقابل دم
 پر بنے۔ مجتہد چھوڑ مقلدوں کی تقلید سے گاڑھی چھنے، اب ایک ایک
 شافعی مالکی کو جھک جھک کر سلام، اس کے پاؤں پکڑ اس کا دامن تھام
 یہ بڑا پیشوا وہ بھاری امام، ان میں جس کا کلام کہیں ہاتھ لگ گیا، اگر چہ کیسا ہی
 ضعیف، کتنا ہی خطا، بس خضر مل گئے، غنچے کھل گئے، اندر کے جی کے کواڑ
 کھل گئے سب کو فت سوخت کے بنار دھل گئے، وحی مل گئی، ایمان لے
 آئے اسی سے حنفیہ پر حجت لائے۔ اب خبردار کوئی پیچھے نہ پڑوہ اجاروہ سب
 کی آیت نہ پڑوہ چھٹکارے کی گھڑی، بچاؤ کا وقت ہے، شرک بلا سے ہو
 اب تو کت ہے مسلمانو! ان حضرات کے یہ انداز دیکھے بھالے، اپنا
 ایمان بچائے سنبھالے، فریب میں نہ آنا یہ زہر درجام ہیں، دھوکا نہ کھانا

یہ بزنہ بردام ہیں، بے مہاروں کی چال بہر حال بُری ہے، تقلید سے بری ائمہ سے بری ہے، بے راہ روی کا دھیان نہ لانا، چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلاتا، اتباع ائمہ راہ ہدی ہے، راہ ہدی کا دالی خدا ہے؛ (ص ۳)

راقم آٹم نے یہ دُرُربار و گربار، افاداتِ رضویہ، مشتے نمونہ از خردارے کے طور پر اس ہر نیمروز کی ایک جھلک یا بجز بیکراں سے قطرہ آب، برائے توجہ ہر شیخ و شاب پیش کیے ہیں۔ وہ بھی صرف اشارتہ کہ دیکھنے والے دیکھ سکیں اور پرکھنے والے پرکھ سکیں احقر کی یہ مجال کہاں کہ مجدداتہ حاضرہ، امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی بلندی پرواز یا علمی گرائی کو کا حقہ بیان کر سکے۔ افسوس کہ جو حضرات بیان کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے ہیں۔ "مورکذی مجلسِ رضا" کا مقصد بھی ان رہنماؤں کو بیدار کرنا ہے۔ اگر وہ حضرات یوں ہی خوابِ خرگوش کے مزے نہ لے رہے ہوتے تو میرے جیسے نااہل کو ایسے مشکل ترین موضوع پر قلم اٹھانے کی ہرگز جرات نہ ہوتی۔ کہاں اختر جیسا نااہل اور کہاں اعلیٰ حضرت جیسی باکمال ہستی۔ اے

اپنی کہاں بساط کہ ان تک پہنچ سکیں
ہم ذرہ ہائے خاک ہیں وہ آفتاب تھے



نوٹ کی حقیقت اور متعلقہ مسائل

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں نوٹ بالکل تو ایجاد چیز تھی۔ مفتیانِ اعظم سے اس کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا جاتا تو تسلی بخش جواب بن نہ پڑتا تھا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کے مفتی اخات مولانا جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جزئیہ کا کاغذ، حکم شرع بیان کرنے سے اپنا عذر "الْعِلْمُ أَمَانَةٌ فِي أَعْتَابِ الْعُلَمَاءِ" کہہ کر پیش کیا۔

اعلیٰ حضرت کا یہ پوری دنیا سے اسلام پر عظیم احسان ہے کہ آپ نے اس مسئلے کو اس کی صحیح صورت میں دنیا کے سامنے بدلائل قاہرہ و باہرہ مع حکم جزئیات واضح فرمایا۔ آپ جب دوسری دفعہ ۱۳۲۳ھ میں حج بیت اللہ اور زیارت روضہ مطہرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے تھے ان دنوں وہاں "الدولۃ المکیہ" کا آفتاب عالم تاب جلوہ گر ہو چکا تھا، آپ کی علمیت کے پیش نظر موقع غنیمت جان کر ایک روز مولانا عبداللہ مرداد اور مولانا محمد احمد جدوی نے نوٹ کے متعلق ایک استفتاء پیش کر دیا، جس میں بارہ سوالات تھے جو جمعہ جوابات "کفل الفقہیہ الفام" کے نام سے شائع ہوئے۔ علمائے مکہ انگشت بندناں رہ گئے، پوری دنیا سے اسلام کے علمائے کرام عیش عش کر اٹھے، خدا کا شکر ادا کیا کہ ایسے امام کامل کے فیض سے حصہ پایا۔

سوال اول: ھدھو مال ۴۱ سند من قبیل الصدق۔ اعلیٰ حضرت نے جواب دیا کہ نوٹ کی اصل کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے جو مال مقوم ہے۔ مکہ ہونے سے لوگوں کی رغبت اس کی طرف بڑھ گئی اور یہ ضرورت میں کام آنے والی اور ضرورت کے لیے سنبھال

کر رکھنے والی چیز ہو گئی۔ بحر، شامی، ردالمحتار، بحر الرائق اور تلویح میں مال کی یہی تعریف ہے لہذا نوٹ شرعاً، عقلاً اور عرفاً مال ہے نہ کہ تمسک وغیرہ۔

فتح القدر میں ہے: "لذبا ع کاغذاً بالف یجوز ولا یکرہ۔"

یعنی کوئی اپنا کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے۔ علاوہ بریں کاغذ کے ٹکڑے پر لکھائی وغیرہ کی وجہ سے اتنی قیمت ہو گئی ہے اور شرعاً اس کی ممانعت بھی نہیں بلکہ قرآن کریم میں نص صریح ہے: "إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔" یعنی یہ کہ کوئی سودا تمہاری آپس کی خوشی کا ہو۔

پھر وضاحت فرمائی کہ مال کی چار قسمیں ہیں:-

۱۔ جو ہر حال میں ٹمن رہے جیسے سونا، چاندی وغیرہ

۲۔ جو ہر حال میں بیع ہے جیسے کپڑے اور چوپائے وغیرہ

۳۔ جن کی ذات میں کوئی ایسا وصف ہو جس کے سبب کبھی ٹمن ہوں اور کبھی بیع۔

۴۔ جو حقیقتاً متاع ہو اور اصطلاً ٹمن، جیسے پیسے کہ جب تک ان کا رواج رہے ٹمن ہیں ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ نوٹ اسی چوتھی قسم سے ہے کیونکہ اصل میں تو یہ ایک متاع ہے اور اصطلاً ٹمن۔ اسی لیے نوٹ کے ساتھ تمسک یا وثیقہ جیسا نہیں بلکہ ٹمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔ فتح القدر کی مذکورہ عبارت کے بارے میں ایک دلچسپ مذاقہ ملاحظہ ہو:-

۴ صفر ۱۳۲۳ھ کو اعلیٰ حضرت مدظلہ الفقیہ "کے بیضہ کی تصحیح کے لیے کتب خانہ حرم میں

پہنچے، دیکھا کہ ایک جدید عالم بیٹھے مسودہ کفیل الفقیہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ (یعنی مولانا عبداللہ بن

مدین مفتی حنفیہ) جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں اعلیٰ حضرت نے فتح القدر سے یہ عبارت نقل

فرمائی کہ "ذبا ع کاغذاً بالف یجوز ولا یکرہ۔" یعنی اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار

روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز ہے تو پھر پاک اسٹے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے

أَيُّنَ جَمَالُ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ مِنْ هَذَا النَّعْنِ الصَّرِيحِ“ حضرت جمال بن عبداللہ اس
نص صریح سے کہاں غافل رہ گئے؟

جب گزشتہ زمانے میں حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر کی علیہ الرحمہ مفتی حنفیہ
تھے تو ان سے بھی نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ علم علماء کی
گردنوں میں امانت ہے۔ مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔ موجودہ مفتی
حنفیہ مولانا عبداللہ بن صدیق کا اشارہ انہیں کی جانب تھا۔

(سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ص ۲۲)

سوال دوم۔ هل تجب نية الزكوة اذا بلغ نصاباً فاضلاً وحال
عليه الحول ام لا؟ اس کا جواب دیا کہ ہاں نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب
ہے کہ وہ خود قیمتی مال ہے دستاویز یا رسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں
حصہ قبضے میں نہ آئے زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو اور نوٹ میں نیت تجارت کی بھی حاجت
نہیں اس لیے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جب تک رائج ہے زکوٰۃ اس میں
واجب ہے۔ یہ ترجمہ پیش کیا گیا ہے اعلیٰ حضرت کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ نا قول
نعم تجب نية الزكوة بشرطها لما علمت انه مال متقوم بنفسه وليس
سنداً وتذكرة للدين حتى لا يجب ادائها ما لم يقبض خمس نصاب
ولا حاجة نية الى نية التجارة لان الفتوى على ان الثمن المصطلح تجب
نية الزكوة مادام رائجاً۔ ملخصاً۔ (کفل الفقہ ص ۲۵)

سوال سوم:- هل يصح مهراً۔ جواب دیا: ” نا قول یصح مهراً لما
علمت اذا كانت قيمته وقت العقد سبع مثاقيل من فضة فان قل يتم
كما في العروض“ (کفل الفقہ ص ۲۶)

ہاں وہ مہر ہو سکتا ہے سہمی بنا پر کہ آپ جان چکے ہیں کہ وقت عقد اس کی قیمت سات

مثقال چاندی ہو۔ اگر کم ہوگی تو پوری کی جائے گی جس طرح اسباب میں ہے۔

سوال چہارم: ہل یجب القطع بسو قته من حنرا۔ اس کا جواب دیا:

”یجب القطع بشروطہ“۔ ملخصاً۔ (کفل الفقیہ ص ۲۶) یعنی نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جبکہ اس کی شرطیں پائی جائیں۔

سوال پنجم: ہل یضمن بالاتلاف بمثلہ او بالدرہم جواب دیا گیا:

”نعم یضمن بالاتلاف بمثلہ ولا یجبر المتلف اداء الدرہم خاصہ“
ملخصاً۔ (کفل الفقیہ ص ۲۶) ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کر دے تو اس کے تاوان میں نوٹ ہی دینا آئے گا اور تلف کنندہ کو خاص روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

سوال ششم: ہل یجوز بیعہ بدرہم اود نائیر ادفلس؟ جواب دیا:

”نعم یجوز کما تعاملہ الناس فی عامۃ البلاد وقد علمت بحقیقہ“۔ ملخصاً
ہاں جائز ہے جیسا کہ تمام شہروں میں عملدرآمد ہے اور تم اس کی تحقیق جان چکے۔
(کفل الفقیہ ص ۲۷)

ردالمحتار میں ہے:

من شروط انعقاد البیع کون المعقود علیہ مالا متقوماً اذ لہ
ینعقد بیع کسرة خبز لان ادنی القیمۃ الی تشرط الجواز البیع فلس
اور اس عبارت کے تحت خودیہ شہہ وارد کیا:۔ و معلوم ان ہذا القدر من القروط
لا یسادی فلسا ای فیکون البیع باطلا غیر منعقد اصلاً فضلاً عن الحرمة
والکدراہۃ۔ یعنی یہ تو واضح ہے کہ اتنے سے کاغذ کی قیمت تو ایک پیسہ بھی نہیں تو نوٹ

اس بیع منعقد ہونے کی شرائط میں سے بیع کا مال متقوم ہونا ہے۔ روٹی کے ٹکڑے کی بیع
باطل ہے کہ جواز بیع کے لیے کم از کم ایک پیسہ قیمت ہونا شرط ہے۔

کی قیمت باطل اور غیر منعقد ہونی چاہیے۔ مکروہ یا حرام ہونا تو دوسری بات ہے۔
اعلیٰ حضرت کی طرف سے اس شبہے کا جواب ملاحظہ ہو:-

اولاً:- اصل کے لحاظ سے اگرچہ وہ کاغذ کا ٹکڑا واقعی ایک پیسے کا بھی نہیں لیکن اصطلاحی طور پر تو آج اس کی مالیت سو یا ہزار روپے کی ہے لہذا حال (موجودہ) کی مالیت کو دیکھا جائے گا نہ یہ کہ اصل میں کیا ہے۔

ثانیاً:- مٹی کے برتن مسلمانوں میں بکتے اور خریدے جاتے ہیں۔ ان کی اصل مٹی ہے اور مٹی مال نہیں۔ چنانچہ فرمایا:-

”شائع ذائع بین عامۃ المسلمین ولم یسکوہ احد مع ان اصلہ

تواب والتراب لیس بمال“ ملخصاً۔

ثالثاً:- خود پیسے کی جو اصطلاحی قیمت ہے وہ اس کی اصل کے لحاظ سے نہیں، یوں تو پیسے کی بیع بھی جائز نہیں رہتی کہ اصل کے لحاظ سے خود پیسے کی قیمت بھی ایک پیسہ نہیں ہے مثلاً فرمایا:-

بنا النظر للاصل لا یسادی الفلوس نفسه فلسا فلا یكون
مالا متقوماً نکیف یكون قیمة دثنماً“ ملخصاً۔

رابعاً:- عالم کی شرعاً عقلاً عرفاً تنظیم کی جاتی ہے۔ حالانکہ اصل میں وہ بھی دوسرے آدمیوں کی طرح بے خبر پیدا ہوا تھا۔ یہ عبارت قابل غور ہے:-

الاتری ان العالم معظم
شوعاً عقلاً عرفاً ولا نظرانی انہ فی الاصل من الذین قال اللہ تعالیٰ
فیہو۔ هو الذی اخرجکم من بطون امہتکم لا تعلمون شیئاً۔
وما ذالک لانه یحدوث وصف نینہ صاومتقوماً عند اللہ وعند
الناس بعد ان لم یکن۔“ ملخصاً

مزید برآں کفایہ۔ فتح القدر۔ رد المحتار، بحر الرائق، کشف کبیر، تنویر الابصار، تفسیر، تلمیح،
درر وغیر، غنیہ، خزینہ، طحاوی اور در مختار وغیرہ کتب سے اس مسئلے کا تسلی بخش اور مدلل

جواب دیا۔

سوال ہفتم :- اذا استبدل بثوب مثلاً يكون مقايضه ادبيعاً مطلقاً

جواب دیا: قد اذناك انه ثمن اصطلاحى فاستبداله بالترب لا يكون مقايضة بل بيعاً مطلقاً ولا يتعين الترتيب بل يلزم في الذمة كالفلوس " ہم تمہیں بتا چکے کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے تو کپڑے سے اس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا بلکہ بیع مطلق ہوگا اور خاص وہی نوٹ دینا نہ آئے گا بلکہ پیسوں کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا۔ (کفل الفقہ ص ۴۱)

سوال ہشتم :- هل يجوز اقراض وان جاز فيقضى بالمثل او بالدرهم

اس کا جواب دیا: نعم يجوز اقراضه لما تقدم انه مثلي ولا يقضى الا بالمثل لانه شان القرض بل كل دين لا يقضى الا بمثله الا ان تراضياً " ہاں نوٹ قرض دینا جائز ہے اس لیے کہ اوپر گزر چکا کہ وہ مثل ہی کے دینے سے ادا کیا جائے گا۔ قرض کی یہی شان ہے بلکہ کوئی دین ادا نہیں کیا جاتا مگر اپنی مثل سے، ماسوائے طرفین کی رضامندی کے (کفل الفقہ ص ۴۲)

سوال نہم :- هل يجوز بيعه بدرهم نسبة الى اجل معلوم " جواب

یہ دیا گیا :- نعم يجوز اذا قبض الترتيب في المجلس كيلا يفتوتاعن دين بدین " ملخصاً۔ ہاں جائز ہے جب کہ اسی مجلس میں نوٹ پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ طرفین دین کے بدلے دین بیچ کر جلا نہ ہوں۔ (کفل الفقہ ص ۴۲)

آگے بچاؤ، ردالمحتار، ذخیرہ، مبسوط، محیط، حادی، بزازینہ، کنز، فتاویٰ مانتوقی، تنویر، ہندیہ، مالگیری، ہدایہ، فتاویٰ قاری، جامع صغیر وغیرہ کی روشنی میں اس مسئلے کے متعلق پوری نقہ حنفیہ کا حاصل بیان کر کے رکھ دیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول جو بظاہر اس کے خلاف نظر آتا تھا اس کی ایسی توضیح فرمائی جو صرف اعلیٰ حضرت ہی کا حصہ تھا۔

سوال دہم: ”هل يجوز السلم بان تعطى الدراهم على نوط معلوم نوعاً
وصفة يُردى بعد شهر مثلاً“ اس کا جواب یہ دیا: ” نعم يجوز السلم في النوط “ (مخلصاً)
ہاں نوط میں بنی ربح سلم جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے جو ایک روایت نادرہ بحر
میں اس کے خلاف آئی ہے اُس پر ہدایہ اور فتح القدیر وغیرہ کی روشنی میں بحث کی نیز دلائل
عقلیہ و نقلیہ سے امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اثبات کو امام محمد
رحمۃ اللہ علیہ کے انکار پر ترجیح دی اور ثابت کیا کہ اس باب میں فتویٰ قول شیخین پر دینا
چاہیے۔ (کفل الفقیہ ص ۵۸)

سوال یازدہم: ”هل يجوز بيعه بازيد مما كتب فيه من عدد الروابي
كان بيع نوط عشرة باثني عشر او عشرين او بانقص منه كذا الخ“
جواب ملاحظہ ہو۔ نعم يجوز ابيعه بازيد من رقمه و بانقص منه كيفما تراضيا
لما علمت عن تقديرها بهذا المقادير انما حدث باصطلاح الناس
وهما لا دلالية للغير عليها كما تقدم عن الهداية والفتح فلهما
ان يقدر ايما شاء من نقص او زيادة“ (مخلصاً) ہاں نوط پر جتنی رقم لکھی ہے اس
سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہو جائے اس کا بیچنا جائز ہے۔ اس لیے کہ اوپر معلوم ہو چکا
کہ نوط کا ان مقداروں سے اندازہ کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے اور بائع
و مشتری پر ان کے نیر کی کوئی ولایت نہیں جیسا کہ ہدایہ اور فتح القدیر سے گزرا تو ان دونوں
کو اختیار ہے کہ کم یا زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کر لیں۔ (کفل الفقیہ ص ۶۲)

مسئلے کی اس نوعیت میں بعض کے نزدیک سود کا اشتباہ بتایا جاتا تھا۔ لہذا وضاحت
فرمائی کہ اس میں جس اور باپ تول برابر ہوتی ہے۔ اگر قدر اور منس دونوں پائی جائیں تو بیشی
اور ادھار دونوں حرام، اگر ایک چیز پائی جائے تو بیشی حلال اور ادھار حرام۔ آگے
ردالمحتار، صحیح مسلم، فتح القدیر، درمختار، تنویر البصار، ہدایہ، بحر، حاشیہ درر،

عناہ، محیط، کفایہ، فتاویٰ قاضی خاں اور تبیین وغیرہ کے حوالوں سے نوٹ کاکم اور زیادہ پر بیچنا جائز ثابت کیا اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کا فتویٰ جو اس کے خلاف تھا اس کی اصلاح فرمائی۔ آگے ایسے چھ حصے بھی از روئے شرح بیان کیے کہ جن پر عمل کر کے منافع بھی حاصل کیا جا سکے اور سود بھی نہ ہو۔ نیز نوٹ ادھار لینے دینے کا معاملہ بھی واضح فرمایا۔

سوال دو از وہم: نہل يجوز اذا اراد زيد استقراض عشرة رباہی من عمرو ان يقول عمرو لا دراهم عندي ولكن ابعد فوط عشرة یا ثنتی عشرة ربیعہ منجمۃ الی سنة توودی كل شهر ربیة وهل ینہی عن ذلك لانه احتیال فی الربو ان لم یتہ نما الفرق بینہ وبين الربا حتی یحل هذا ویحرم ذلك مع ان المال وهو حصول الفضل واحد نیہما۔ انیدونا الجواب تو جروا یوم الحساب۔ اس کا جواب حسب ذیل ہے۔۔

” نعم يجوز اذا قصد البیع حقیقة دون القرض وذلك لان البیع جائز التفاضل جائز والتاجیل جائز كما حقیقتا كل ذلك وما التنجیل الانوع من التاجیل۔ نعم ان اقترض فوط عشرة و شرط ان یرد المستقرض اثنتی عشرة ربیعہ او احدى عشرة او عشرة وقطعه مثلا حالا او مالا منجما او غیر منجم فهذا حرام و ربا قطعاً لانه قرض جر نفعاً قد قال سیدنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم كل قرض جر منفعة فهو ربا۔“ (کفل الفقیر صلا)

ہاں جائز ہے جبکہ دونوں حقیقتاً بیع کا ارادہ کریں، نہ قرض کا اس لیے کہ بیچنا جائز اور کمی بیشی جائز اور مدت میں پر ادھار جائز جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کر آئے اور قسطنطینی بھی ایک قسم کی مدت ہی میں کرنا ہے۔ ہاں اگر رس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کر لی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دوئی او پردس ربا یا کچھ مدت بعد

تسقط بندی سے یا بلا تسقط واپس دے تو یہ ضرور حرام اور سود ہے۔ اس واسطے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا اور بے شک ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔

اس کے بعد ردالمحتار، ذخیرہ، بخاری، مسلم، نفع القدر، ایضاح اور محیط وغیرہ کی روشنی میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نظریات واضح فرمائے اور ہر پہلو سے مسئلہ کی حقیقت کو روشن کر دکھایا۔ سود کی حد بندی کر کے جائز طریقوں پر نفع حاصل کرنے کی صورتیں بھی تحریر فرمادیں۔

دیوبندی حضرات کے نزدیک مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی تمام علوم دینیہ میں منصب امامت پر فائز تھے۔ نیز فقہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی متبر عالم اور صاحب بحر الرائق کے مد مقابل و فقیہ النفس تھے۔ ملاحظہ ہو (دیباچہ فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب مطبوعہ کراچی) گنگوہی صاحب موصوف سے بھی نوٹ کے بارے میں حکم شرع پوچھا گیا، ان کے جوابات ملاحظہ ہوں:-

۱۔ نوٹ ذبیقہ اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے اس واسطے کہ اگر نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور اگر گم ہو جائے تو بشرط ثبوت اس کا بدلے سے سکتے ہیں۔ اگر نوٹ بیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ دنیا میں کوئی بیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جائے تو بائع سے بدلے سکیں۔ پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائیگا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے، فلوس بیع ہے اور نوٹ نقدین۔ ان میں زکوٰۃ نہیں۔ اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی“
(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۲۵۷)

۲۔ نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے

اور بچید عقد حلالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرتا رہا اور ناجائز ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مہرب ص ۴۱۸)

۳۔ ”روپیہ بیچنے کی آسان ترکیب نوٹ کی رجسٹری یا بمیہ کر دینا ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۱۴۲)

۱۳۲۹ھ میں اعلیٰ حضرت نے ”الذیل المنوط لرسالة النوط“ کے تاریخی نام سے ایک مستقل رسالہ جو کفل الفقہیہ کا تتمہ ہے، لکھا اس میں گنگوہی صاحب موصوف کے مذکورہ فتوؤں کا، جو تصریحات ائمہ کے خلاف ہیں۔ ہدایہ۔ ترمذی۔ نسائی۔ احمد۔ فتح القدیر۔ عنایہ۔ عالمگیری، رد المحتار، در مختار، بحر الرائق، نہر الفائق، شامی، فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ کی روشنی میں وہ اٹھارہ محققانہ رد فرمائے کہ اہل علم حضرات کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور وہ باری تعالیٰ شانہ کا شکر بجالاتے کہ ایسے مایہ ناز محقق و فقیہ اعظم کے فیوض و برکات سے ستفید ہونے کا شرف نصیب ہوا۔

جناب علامہ عبدالحی صاحب مکنوی نے بھی اس بارے میں ایک طویل فتویٰ جاری کیا تھا جو ان کے فتاویٰ کی جلد دوم میں چھپیواں فتویٰ ہے۔ موصوف ایک متبحر عالم تھے لیکن ان کی تحقیق اس بارے میں ائمہ کرام کی تصدیقات کے خلاف واقع ہوئی علمی غلطیوں سے۔ چشم پوشی کر جانا ایک مجدد کی شان سے بعید ہے کیونکہ باری تعالیٰ شانہ، مجددوں کو پیدا ہی اس لیے کرتا ہے کہ دین میں جب غلط باتیں شامل کی جا رہی ہوں تو مجدد تائید ربانی کے تحت اپنی قوت فیصلہ سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھائے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے علامہ عبدالحی کے فتویٰ پر از روئے دلائل، محققانہ انداز میں ایک سو بیس انتہا مناسبات کیے۔ ان بلند پایہ ابجاث کو دیکھ کر مصنف پر مجتہد ہونے کا گمان گزرتا ہے لیکن آپ نے اس انعام خداوندی کا اظہار یوں فرمایا ہے۔

مَوْلانا محمد، بایں ہمہ ماشائے فقیر مجتہد ہے نہ ائمہ مجتہدین کے ارتقی غلاموں کا
 پاسنگ، ان کی خاکِ نفل کے برابر بھی منہ نہیں رکھتا، نہ معاذ اللہ شرعِ الہی
 میں اپنی عقلِ قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا ہے۔ اس فتویٰ اور ان دونوں
 رسالوں میں جو کچھ ہے جہدِ المقل ہے یعنی ایک بے نوا محتاج کی اپنی طاقت
 بھر کوشش! (رسالہ النور ص ۱۶۷)





تیمم کی تعریف و ماہیت شرعیہ

المحرم الحرام ۱۳۲۵ھ کو علامہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا: تیمم کی تعریف و ماہیت شرعیہ کیا ہے؟ علوم شرعیہ کے اس بحر بیکراں نے وہ جواب دیا جو فتاویٰ رضویہ شریف کی جلد اول کے صفحہ ۵۸۶ سے صفحہ ۸۵۵ تک جہازی سائز کے (دوسو چونسٹھ) صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر دلائل کے انبار، حوالے قطار اندر قطار، غرضیکہ علم فقہ کا ایک اتھاہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ پہلے تیمم کی سات تعریفیں بیان فرمائیں۔

مسئلہ تیمم کے متعلق تمام کتب فقہ کی متعلقہ عبارات، ان پر سیر حاصل تبصرہ، ان کی مطابقت و موافقت دکھانا، اجمال کی تفصیل اور ابہام کی توجیہ ایسے محققانہ انداز سے کرنا جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ سب تائید ربانی کی کرشمہ سازیاں و گمباریاں ہیں۔ ائمہ دین و علمائے امت کی متعلقہ جملہ تصدیقات کے پیش نظر مفتی نے اپنے کمال اور زورِ استدلال سے میدانِ فقہ میں نیا عالمی ریکارڈ قائم کر دیا جس کو دیکھتے ہوئے ماننا پڑتا ہے کہ کھ ترک الاول للآخر۔

جیل القدر فضلاً کی تصانیف میں تیمم صحیح ہونے کے لیے پانی نہ ملنے کی دس بیس سے زیادہ صورتیں نہ دیکھی گئیں جن میں عذر عند الشرع مقبول ہو مگر دیگر مایہ ناز کتب میں بھی یکجا ایسے عذر چالیس پچاس سے تجاوز نہ کر سکے لیکن امام اہل سنت فاضل بریلوی کی باری آئی اور آپ نے پانی سے بجز کی صورتیں گناہیں تو ترتیب وار پونے دوسو بتائیں۔ والحمد للہ علی ذالک۔

تیمم کے باب میں ”جنس ارض“ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسی لیے علیہ الرحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:-

”جنس ارض، اس کی معرفت کہ جنس ارض کسے کہتے ہیں اور کیا کیا چیز جنس ارض سے ہے، کیا کیا نہیں، امر مهم ہے کہ اسی پر مدار مسائل تیمم ہے
 ناستمع وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق“
 (جلد اول ص ۶۶۸)

اب اس کی وضاحت کرنے، کمال تحقیق کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے بائیں الفاظ
 ابتداء کی۔

”سیدنا امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہر اس چیز سے کہ جنس ارض سے ہو تیمم روا ہے جب کہ غیر جنس سے مغلوب نہ ہو اور ہاں کے غیر سے ہمارے جمیع ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک روا ہیں، لہذا جنس ارض کی تحدید و تغدید درکار۔“ (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۶۶۸)

جنس ارض میں اجسام نار سے جو آثار پیدا ہوتے ہیں ان کے لیے ہمارے ائمہ کرام اور علمائے اسلام نے پانچ الفاظ استعمال فرمائے ہیں:-

۱۔ احتراق ۲۔ ترمد ۳۔ لین ۴۔ ذوبان ۵۔ انطباع۔

ان پر علیہ الرحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے مفصل بحث کی اور کتب فقہ کی روشنی میں ہر ایک کا کیفیت و ماہیت اور اس کے بارے میں حکم شرعی کی وضاحت فرمائی لیکن چونکہ علمائے کرام نے اپنی تصانیف میں شمار مختلف کیے ہیں یعنی ان پانچ میں سے ایک کو دوسری میں مدغم یا اس کے تابع قرار دے کر الگ شمار نہیں کیا۔ یوں کسی کے نزدیک تین پر بس اور ان پر جو احکام صادر ہوئے ان میں بھی بعض میں بظاہر تفاوت کا خدشہ بلکہ اختلاف تک معلوم و مفہوم۔ لہذا علیہ الرحمۃ اللہ علیہ نے جمیع علمائے کرام کے متعلقہ اقوال جمع کر کے ان پر

وہ محققانہ بحث فرمائی کہ پیش خویش مدفقہ النفس اور حکیم الامت بننے والی ہستیاں ان بیانات کو سو دفعہ پڑھ کر ایک مرتبہ بھی اسی طرح بیان کرنے پر قدرت نہ حاصل کر سکیں۔

اس کے بعد اہل سنت کے اس نقیبہ اعظم اور امام اکرم نے مجددانہ شان سے ان عبارات علمائے کرام کی تطبیق اور پیدا ہونے والے اشکالات کا حل بہ دلائل عقلیہ و نقلیہ یوں پیش کیا۔

مد بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے ان بیانات خمسہ کے معانی مقصودہ اور ان کی نسبتیں

ظاہر ہو گئیں کہ احتراق عین ترمہ ہے اور ترمہ بمعنی اوسط اور لین و انطباع و

ذو بان سب کا حاصل انطراق۔ صلاحیت لین و انطباع متلازم فی الوجود

ہیں اور ان کے مشتق متضاد فی الصدق اور صلوح ذو بان بھی ظاہر ان دونوں

کا ملازم و مزوم اور ان کا اُس سے مطلقاً علوم بھی ایک احتمال غیر معلوم۔ اب

بارہ عبارات معنی باشتیاب سے دو پیشین اول مورد ایراد اور دوم باطل ہے۔

سب کا حاصل دو وصفوں کا اعتبار ہوا، ترمہ و انطراق۔ پانچوں وصف انہیں دو

کی طرف راجح ہو گئے اور بفضلہ تعالیٰ اتنے فائدے حاصل ہو گئے۔

۱۔ انطباع کی لین سے تفسیر کہ مد در رائے کی صحیح اور تفسیر بالمساوی ہے۔

۲۔ تقطیع ولین سے اس کی تفسیر کہ مد منع مانے کی اس کے خلاف نہیں، صرف اصل مفہوم

انطباع۔ یعنی قابلیت عمل کا اس میں اظہار فرما دیا ہے۔ و لغافل۔

۳۔ یلین و یمنع خواہ یمنع و یلین ہر ایک میں ایضاح کے لیے جمع متساویین ہے ان میں نہ

اتحاد مصداق باطل، نہ جمع میں ایہام غلط، نہ کوئی لغویت، نہ تفسیر بالاغلی۔

۴۔ اظہار تساوی انطباع و ذوبان ہے تو بہ دستور یزوب و منطبع خواہ یمنع و یزوب ایک

ہی بات ہے اور اجتماع مثل جمع ولین و انطباع، البتہ اگر علوم انطباع ثابت ہو تو

عبارات نہم و دہم و یازدہم نیز عبارات شمس الائمہ و ظہیر یہ و خانہ و خزانیہ المنقین میں

جمع ذوبان و انطباع یا ذوبان ولین ضرور موہم غلط ہوگا کہ اب جنسیت ارض وجود و

ذوبان پر موقوف رہے گی حالانکہ مجرد الطباع سے حاصل لا جرم واؤ بمعنی اولینا ہوگا اور
ذکر ذوبان ضائع، ان اکابر سے اس کا صدور ہمارے اس انتظار کی صحت پر دلیل
ہے کہ ذوبان بھی ملازم الطباع ہے۔

۵۔ عبارت ششم میں ایک طرف اضافۃ الطباع دوسری طرف ترک کا حاصل ایک ہے
ایضاً ما بڑھایا اور ایجازاً کم کیا۔

۶۔ یونہی عبارت سیزدہم میں ترک و ذکر لین۔

۷۔ ينطبع ولین میں نفع ایضاً مراد ہے کہ لفظ الطباع قبل السماع اور لین و ينطبع میں
ازاحتہ دم ہے کہ تو ہم لین بمعنی عام کا اندفاع۔

۸۔ یونہی ذوبان و الطباع کی تقدیم و تاخیر میں۔

۹۔ عبارت یازدہم میں خوبی یہ ہے کہ قسم دوم میں تار کے دونوں اثر اصلی کے لیے
اگرچہ ذکر لین کافی تھا۔

۱۰۔ سیزدہم و چہار دہم میں نفع ایجاز ہے کہ لزومات ثلثۃ انطراق سے صرف ایک لیا کہ
دلالت علی المقصود پر پس تھا۔ باقیوں کا مسک ایضاً کے لیے الہاب۔

۱۱۔ عبارت ”عناہ“ میں برضات کل او مسامحت ہے یا الف زیادت ناسخ یا او تخمیر فی التبعیر
کے لیے یعنی ينطبع کو یا لین، حاصل ایک ہے۔

۱۲۔ ”غرر“ میں بعد دھو لفظ ما بڑھنا چاہیے اور ”ورد“ میں پہلا او گھٹنا کہ وہ جنس کی
تفسیر ہو جائے اور یہ غیر جنس کا بیان۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۶۸۶)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان اشیاء کا شمار پیش کیا جن سے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ
رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں تمیم کرنا جائز ہے۔ فقہ حنفی کی جملہ کتابوں سے ایسی تمام اشیاء
کے نام لکھے اور ہر چیز کے ساتھ ان کتابوں کا حالہ دیا جن میں اس چیز سے تمیم کرنا جائز بتایا ہے۔

ایسی تمام منصوصات کا شمار چوتھوں سے حالانکہ کسی ایک نقعی کتاب میں پچاس کا شمار بھی نہ ملے گا اس کے علاوہ امام اہل سنت نے اپنے تعلقہ فی الدین اور القاسمے ربانی سے ایک سو سات کا شمار اپنی طرف سے ایزاد فرمایا اور ان اشیاء کی گنتی ایک سو اکاسی تک پہنچادی۔

اس کے بعد ان اشیاء کے نام مع حوالہ کتب پیش کیے جن سے تیمم جائز نہ ہونے کی تصریح ہمارے ائمہ کرام کی مایہ ناز تصانیف میں بیان ہو چکی ہے۔ ان کا شمار اٹھاون ہوا۔ بھرماتہ حاضرہ نے فراغت ایمانی اور تائید ربانی سے بہتر زیادات شامل کیے۔ اس طرح ان کا شمار ایک سو تیس ہو گیا۔ گویا جملہ منصوصات و مزیدات، جن سے تیمم جائز اور جن سے جائز نہیں۔ دونوں کا شمار تین سو گیارہ ہے۔ مذکورہ اشیاء کا شمار اتنی تعداد میں درکنار، آج دنیا کی کسی نقعی قابل اعتماد کتاب میں، ان کا نصف بھی نہ مل سکے گا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اس کے بعد تر زمین، کیچڑ، زمین و خاک سوختہ، خاکستر، پچی اینٹ، نمک زار زمین شیشہ، ہموار سنگ، مرجان، ذہب، فصہ، صید، رصاص، صفر اور نحاس سے تیمم جائز ہونے کا نہ ہونے کے متعلق اکثر کتب فقہ کی روشنی میں بحث فرمائی۔ چنانچہ اے کے باسے میں گیارہ ۱ پر بارہ ۲ پر سولہ ۳ پر سترہ ۴ پر چودہ ۵ پر آٹھ ۶ پر پندرہ ۷ پر انیس ۸ پر آٹھ ۹ پر سترہ ۱۰ پر چودہ ۱۱ پر چودہ ۱۲ پر نو ۱۳ پر نو ۱۴ پر نو ۱۵ پر آٹھ حوالہ جات کتب فقہ سے پیش کر کے، ترجیح دلائل و صورت مختلفہ و صفات حقیقیہ و مصنوعہ کے بارے میں حکم عدل و قول مصرح کیے۔ یہ بیان بھی اتنا مفصل و مدلل کسی نقعی کتاب میں نہ مل سکے گا۔ بعدہ تیمم کے متعلق اکیس مسائل کو مدلل طور پر پیش فرمایا۔ پھر تقریباً تین درجن کتب فقہ کی روشنی میں اس امر کی تصریح و تشریح کی کہ جس طرح وضو اور غسل سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے۔ تیمم سے اس طرح مٹی مستعمل نہیں ہوتی۔ اس میں صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اطلاق موجود ہے مگر اردوئے دلائل ترجیح بر صورت، مسلک حنفیہ کو ہے جسے واضح کر دکھایا

ہے۔

جناب گنگوہی صاحب سے کسی نے سوال کیا تھا کہ مسجد کی دیوار سے تمیم جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب آنجناب نے بایں الفاظ دیا تھا۔ تمیم دیوار مسجد سے کرنے کو بعض کتب فقہ میں مکروہ لکھا ہے۔ اس کا دلائل قاہرہ سے رد فرمایا گیا۔ بعض کتب فقہ پر جو کراہت کا بہتان باندھا تھا اس سے ظاہر ہو گیا کہ آنجناب کو فقہی مسائل میں قطعاً عبور نہیں تھا۔ جو ذہن میں آتا وہی لکھ دیتے تھے۔

ایلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اس ایک مسئلہ تمیم میں جس قدر دلائل پیش کیے تمام کتب فقہ کی روشنی میں جو سیر حاصل تبصرہ فرمایا اور اس سے جو آپ کی علمیت ثابت ہوتی ہے اس کے لحاظ سے ہر منصف مزاج یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ بے شک ایلیٰ حضرت مرکز دائرہ تحقیق اور اہل سنت کے امام ہیں۔ موافقین و مخالفین کی فقہی تصانیف موجود ہیں، انہیں سامنے رکھ کر دیکھیے، نتیجہ صاف ظاہر ہے، بغض و عناد کی بنا پر ایلیٰ حضرت کے لیے کوئی خواہ کچھ بھی کتابچہ سے لیکن اس چودھویں صدی میں کسی عالم کا آپ سے سبقت لے جانا یا مساوی ہونا تو دور کی بات ہے حقیقتاً کوئی بلحاظ علمیت آپ کی گردِ راہ کو بھی نہ پاسکا۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ سنی مسلمان جو امام اہل سنت، مجدد مائتہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں مسک اسلاف کو اپنا کر حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے بے دینوں، گمراہوں کے پھندوں سے بچے ہوئے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِمْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى حَبِيبِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ



۶

مسئلہ امکان کذب

م متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کے پوتے مولوی محمد اسماعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ) نے معتزلہ، کرامیہ، مزداریہ اور ظاہریہ وغیرہ فرقہ منالہ کے اتباع میں، امکان کذب باری کا نظریہ اپنے رسالہ مدیکروزی میں لکھ کر ایک کفریہ بدعت کو رواج دیا۔ جو روح اسلام اور شریعت محمدیہ کے بالکل خلاف ہے۔

علمائے اہل سنت اور فاضلان عزیز کے خوشہ چین اہل علم حضرات نے تصنیف قتالیف اور مباحثوں مناظروں کے ذریعے، مصنف یکروزی اور ان کے ہم خیال علماء کا ایسا نا طقہ بند کیا کہ یہ نظریہ نیم بسمل کی طرح تڑپتا ہوا نظر آنے لگا اور کمذین باری تعالیٰ نے مجبور ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے زبان و قلم کو روک لیا۔

سالہا سال بعد اگر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ) اور مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی (المتوفی ۱۳۴۵ھ) اپنی رسول سے زمانہ کتاب "براہین قاطعہ" میں اس مسئلہ کو دوبارہ زیر بحث نہ لاتے اور اس کی علم برداری نہ کرتے تو یہ غیر اسلامی عقیدہ بھی اپنے ہندوستانی موجودوں کے ساتھ ہی زندہ درگور ہو گیا ہوتا اور ایک زبردست

اے ان دونوں حضرات کے خیالات فاسدہ کو سمجھنے کیلئے تقدیس الوکیل عن توہین الرشید و انجیل "مصنف مولانا غلام رشید قیسوری رحمۃ اللہ علیہ شائع کردہ نوری بک ڈپو لاہور بھی ملاحظہ کی جائے۔
(محمد عارف رضوی)

قندہ کا دروازہ بند ہو جاتا۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اس میدان میں مولوی محمد اطمین صاحب دہلوی سے بھی چار قدم آگے بڑھ گئے۔ اپنے ایک مہری دستخطی نوٹ سے میں صاف تصریح کر دی کہ وقوع کذب کے قائل کو تفسیق و تغییل سے مامون رکھنا چاہیے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

چونکہ شریعت محمدیہ میں امکان کذب کی قطعاً گنجائش نہیں لہذا عوام کو مغالطہ دینے کی غرض سے دین مصطفویٰ پر یوں غضب ڈھایا کہ حلف و عید کو امکان کذب کی نوع ٹھہرا دیا، حالانکہ محققین نے حلف و عید کا بھی انکار کیا ہے اور جن علمائے کرام نے اسے جائز ٹھہرایا ہے وہ اس کا صرف امکان نہیں بلکہ وقوع مانتے ہیں۔ یوں گنگوہی اور ابٹھوی صاحبان وقوع کذب باری کے قائل ٹھہرتے ہیں۔

جب یہ نئے مذبذب باری تعالیٰ، شانِ خداوندی میں جھوٹ جیسے عیب کا دھبہ لگا رہے تھے تو چاروں طرف سے علمائے اہل سنت نے ان کا محاسبہ کیا۔ تحریر و تقریر کے ذریعہ منکرین تنزیہ و تقدیس باری تعالیٰ شانہ کی تردید میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ۱۳۷۷ھ میں شہر میرٹھ سے جناب ابو محمد صادق علی ملاح صاحب نے اس مسئلہ کی صحیح صورت حال معلوم کرنے کی غرض سے امام اہل سنت مجددین و ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں استفتاء بھیجا۔

اُس وقت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی عمر صرف پینتیس سال تھی آپ نے جو سوکڑا الارجواب دیا وہ تراسی سال سے لاجواب اور سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح کے تاویخی نام سے مشہور و معروف ہے جس نے اس خلافتِ اسلام بقیدہ کے اگلے پچھلے سارے علمداروں کے سب جیلے حوالے لیا میٹ کر دیے اور مذبذبین تقدیس باری کے بلند بانگ دعاری کا شیش محل، اس کے منصفہ شہود پر آتے ہی، بیلے کی طرح مٹ گیا۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مکذہ میں اپنی سب سے بڑی دلیل آئیہ کریمہ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ كُوْبِنَاتِيْ
تھے اور کہتے تھے کہ جو باری تعالیٰ شانہ کو جھوٹ پر قادر نہیں مانتے (یعنی اہل سنت) وہ قادر
مطلق کی شان میں عجز کا دھبہ لگاتے ہیں۔ ناضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ”بسمان السبوح“ کے مقدمے
میں ہی چار مثالوں کے ذریعے اس مغالطہ کا ازالہ کیا اور بتایا کہ كَلِّ شَيْءٍ ۛ پر قادر ہونے
کا مطلب کیا ہے ملاحظہ ہو۔

۱۔ ”خلاق کبیر جل جلالہ فرماتا ہے: خالق کل شیء ۛ فاعبدہ۔ وہ ہر چیز کا بنانے
والا ہے تو اسے پوجو۔ یہاں صرف حادث مراد ہیں کہ قدیم یعنی ذات وصفات باری
عز مجدہ مخلوقیت سے پاک (ہیں)

۲۔ سمیع و بصیر جل مجدہ فرماتا ہے۔ اِنَّہٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بِصِيْرٍ۔ وہ ہر چیز کو دیکھتا
ہے۔

یہ تمام موجودات قدیمہ و مادثہ سب کو شامل مگر معدومات خارج یعنی مطلقاً یا جس چیز نے
ازل سے اب تک کسوچ وجود نہ پہنی نہ ابد تک پہنے۔ کہ البصار کی صلاحیت موجود
ہی میں ہے، جو اصلا ہے ہی نہیں وہ نظر کیا آئے گا؟ تو نقصان جانب قابل ہے
نہ جانب فاعل۔ (شرح فقہ اکبر للقاری، شرح السنوی للبخاری اور مدلیقہ تدریہ شرح
طریقہ محمدیہ کی واضح عبارتوں سے اس کا ثبوت دیا۔

۳۔ قوی قدریر تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: وھو علیٰ کلّ شئیءٍ قَدِيْرٌ۔ وہ ہر چیز
پر قدرت والا ہے۔ یہ موجود و معدوم سب کو شامل، بشرط حد و وقت و امکان کہ واجب
و محال اصلاً لائق قدرت نہیں۔ موافق میں ہے۔ القدیور لا یستدالی
القدرة۔ شرح مقاصد میں ہے۔ لاشیء من الواجب والمتنع بمقدور۔

امام شافعی فرماتے ہیں۔ جميع المستحيلات العقلية لا تعلق للقدرة بها۔ کنز الفوائد میں ہے
 خروج الواجب والمستحيل فلا يتعلقان اى القدرة والارادة بهما۔ شرح فقہ اکبر
 میں ہے لا يمتنع بنفس مفهومه كجمع الضدين وقلب الحائق واعدام القديم
 لا يدخل تحت القدرة القديمة۔

۴۔ عظیم خبیر عز شانه فرماتا ہے:۔ وهو بكل شىء علیہ۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔
 یہ کلیہ واجب و ممکن و قدیم و حادث و معدوم و مفروض و مرموم غرض ہر شے و مفہوم
 کو قطعاً محیط جس کے دائرے سے اصلاً کچھ خارج نہیں، یہ ان علومات میں سے ہے
 جو عموم تفسیر "ما من عام الا وقد خص منه البعض" سے مخصوص ہیں۔
 (سبحان السبوح ص ۵)

اسی ایمان افروز بیان کو عام فہم الفاظ میں آگے یوں سمجھایا ہے:-

"اب دیکھیے لفظ چاروں جگہ ایک ہے یعنی کُلُّ شىءٍ و مگر ہر صفت نے
 اپنے ہی دائرے کی چیزوں کو احاطہ فرمایا، جو اُس کے قابل اور اس کے
 احاطہ میں داخل تھیں، تو جس طرح ذات و صفات خالق کا دائرہ خلق میں نہ آنا
 معاذ اللہ عموم خالقیت میں نقصان نہ لایا، نقصان جب تھا کہ کوئی مخلوق
 احاطہ سے باہر رہتا، یا معدومات کا دائرہ البصار سے بھریہا عیاذ باللہ احاطہ
 بصیر الہی میں باعث فتور نہ ہوا۔ فتور جب ہوتا کہ کوئی مبصر خارج رہ جاتا۔
 اسی طرح صفت قدرت کا کمال یہ ہے کہ جو شے اپنی حد ذات میں مقدر
 ہونے کے قابل ہے، اس سب پر قادر ہو، کوئی ممکن احاطہ قدرت سے
 جدا نہ رہے، نہ یہ کہ واجبات و محالات عقلیہ کو بھی شامل ہو، جو اصلاً تعلق
 قدرت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔" (سبحان السبوح ص ۶)

آگے تین عام فہم مثالوں سے واضح کیا کہ محالات میں تعلق قدرت کی صلاحیت کیوں

نہیں ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

”قدرت الہی صفت کمال ہو کر ثابت ہوئی ہے، نہ معاذ اللہ صفت نقص و عیب، اور اگر محالات پر قدرت منسے تو ابھی انقلاب ہوا جاتا ہے، وجہ سینے، جب کسی محال پر قدرت مانی اور محال، محال سب ایک سے، معاذ تمہارے..... خیال پر جس محال کو مقدور نہ کیسے آنا ہی بجز قصور سمجھیے تو فاجب کہ سب محالات زیر قدرت ہوں اور منجملہ محالات، سلب قدرت الہیہ بھی ہے، تو لازم کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کو کھودینے اور اپنے آپ کو عاجز محض بنانے پر بھی قادر ہوں اچھا عموم قدرت مانا کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی۔“ (بسمان السبوح ص ۵)

مسئلہ پر بحث کی ابتداء اشاعرہ و ماتریدیہ کے مائتہ ناز علماء اور متکلمین کی روشن عبارتوں سے فرمائی جن سے صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ اُمت مرحومہ کا اس پر اجماع ہے کہ باری تعالیٰ شانہ، جمع یوب و نقائص سے عقلاً و شرعاً، پاک اور منزہ ہے۔ ہمارے امام المتکلمین نے جو تیس عبارات پیش فرمائیں ان میں سے آخری یہ ہے جو منکرین کے مسئلہ بزرگ کا عقیدہ ہے۔

”انسوس کہ امام الوہابیہ کے نسباً چچا اور علماً باپ اور طریقہ دارا یعنی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی اس پسر نامور کی رعایت نہ فرمائی کہ تفسیر عزیزی میں زیر قولہ تعالیٰ فلن یخلف اللہ عہد الیوں تصریح فرمائی ”خیر اَوْ تعالیٰ کلام ازلی است و کذب در کلام نقصان نیست عظیم کہ ہرگز بصفات اُدرہا نیاید در حق اَوْ تعالیٰ کہ میرا از جمع یوب و نقائص است غلاتِ بخر مطلقاً نقصان محض است“ ”مخصماً۔ مدعیان جدید سے

پوچھا جائے کہ جناب باری میں کہاں تک نقصان ممکن مانتے ہیں؟“ (بسمان السبوح ص ۱۵)

یہ تھا تنزیہ اول کا خلاصہ، تنزیہ دوم میں استحالہ کذب پر تیس دلائل قائم فرمائے ہیں۔ دلائل بھی ایسے کہ مایہ ناز متکلمین حضرات کی رو میں، ہمارے متکلم اعظم کے مباحث علمیہ اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کو دیکھ کر باغ یاغ ہو گئی ہوں گی۔ استحالہ کذب کے وہ دلائل اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں :-

دلیل ۱ :- طوابع، شرح مقاصد، مسائرہ و مسامرہ و مفاتیح الغیب و مدارک و بیضاوی و ارشاد العقل و روح البیان و شرح سنوسیہ، شرح ابهری و شرح عقائد جلالی و کنز القوائد و سلم الثبوت و شرح نظامی و فرائح الرحمت و غیرہ (جن کی عبارتیں تنزیہ اول میں نقل فرمائیں)، کتب تفسیر و اصول میں تعویل فرمائی کہ کذب عیب ہے اور ہر عیب باری عزوجل کے حق میں محال اور فی الواقع یہ کلیہ، اصول اسلام و قواعد کلام سے ایک اصل عظیم و قاعدہ جلیلہ ہے، جس پر تمام عقائد تنزیہ بلکہ مسائل صفات ثبوتیہ بھی متفرع ہیں۔

(سبحان السبوح ص ۱۴)

دلیل ۲ :- العظمت للہ۔ اگر کذب الہی ممکن ہو تو اسلام پر وہ طعن لازم آئیں کہ اٹھائے نہ اٹھیں۔ کافروں اور لمحدوں کو اعتراض و مقال و عناد و جدال کی وہ مثالیں ملیں کہ مثالے نہ ملیں۔ دلائل قرآن عظیم و وحی حکیم یکدست ہاتھ سے جائیں۔ حشر و نشر و حساب و کتاب و جنت و نار و ثواب و عذاب کسی پر یقین کی کوئی راہ نہ پائیں کہ آخر ان امور پر ایمان صرف اخبار الہی سے ہے، جب معاذ اللہ کذب الہی ممکن ہو تو عقل کو ہر خبر الہی میں احتمال رہے گا کہ شاید یونہی فرمادی ہو، شاید ٹھیک نہ پڑے۔

(سبحان السبوح ص ۱۵)

دلیل ۳ :- اگر کذب خالق ممکن ہو تو کتنی بڑی شہامت ہے کہ خلق سچی اور خالق جھوٹا۔

(سبحان السبوح ص ۱۶)

دلیل ۴ :- جب اہل سنت کے نزدیک، اللہ عزوجل کا صدق ازلی تو کذب محال کہ ہر ازلی

متنع الزوال

(سبحان السبوح ص ۲)

دلیل ۵ :- ” اگر باری عزوجل کذب سے متصف ہو سکے، تو اس کا کذب اگر ہوگا تو قدیم ہی ہوگا کہ اس کی کوئی صفت حادثہ نہیں اور جو قدیم ہے معدوم نہیں ہو سکتا، تو لازم کہ صدق الہی محال ہو جائے۔ حالانکہ یہ بالبداہتہ باطل تو کذب سے انصاف ناممکن ہے۔

(سبحان السبوح ص ۲۱)

دلیل ۶ :- کلام الہی ازل میں با ایجاد کلی حق تھا یا معاذ اللہ اس کا بعض باطل یا نہ حق نہ باطل؟ شق ثانی تو کفر صریح، اور ثالت میں مطابقت و لامطابقت دونوں کا ارتفاع اور وہ قطعاً محال ہے۔

(سبحان السبوح ص ۲۲)

دلیل ۷ :- امکان کذب اس کی فعلیت بلکہ دوام بلکہ ضرورت کو مستلزم کہ اگر کلام نفسی ازلی ابدی واجب الذات مستحیل التجرد کذب پر مشتمل نہ ہو تو کلام لفظی کا کذب ممکن نہیں ورنہ وجود دال بلا مدلول یا کذب دال مع صدق المدلول لازم آئے اور دونوں بالبداہتہ محال اور جب کلام لفظی میں کذب ممکن نہ ہو تو نفسی میں بھی ممکن نہیں ورنہ باری عزوجل کا بجز عن التبصیر لازم آئے تو لاجرم امکان کذب ماننے والا اپنے رب کو واقعی کاذب مانتا اور اس کے کلام نفسی میں کذب موجود بالفعل جانتا ہے۔

(سبحان السبوح ص ۲۳)

دلیل ۸ :- صدق الہی صفت قائمہ بذات کریم ہے ورنہ مخلوق ہوگا کہ ذات و صفات کے سوا سب مخلوق، اور ہر مخلوق عدم سے مسوق، تو لازم کہ غیر متناہی دور ازل میں اللہ تعالیٰ پہچانے ہو۔

(سبحان السبوح ص ۲۵)

دلیل ۹ :- ہم زیر دلیل چہارم و ہشتم بدلائل ثابت کر آئے کہ صدق صفت قائمہ بالذات ہے تو کذب بھی اگر ممکن ہو، صفت ہی ہو کر ممکن ہوگا۔۔۔۔۔ اب مخالف۔۔۔۔۔ استمالات دیکھے۔ اولاً لازم کہ کذب الہی موجود بالفعل ہو کہ صفات باری میں کوئی

صفت منتظر غیر واقعہ ماننا باطل ورنہ تاثر بالغیر یا تخلف مقتضی یا تاخر اقتضایا حدوث
مقتضی لازم آئے۔ تعالیٰ عنہ علواً کبیراً“

نوٹ: یہ دلیل ۹ تا ۲۲ استماعی میں جو بجائے خود مستقل دلائل ہیں۔

دلیل ۱۰: ”واجب کہ کذب واجب ہو کہ صفات الہیہ سب واجب للذات ہیں“

دلیل ۱۱: ”صدق الہی محال ٹھہرے کہ وجوب کذب امتناع صدق ہے۔“

دلیل ۱۲: ”کذب صفت کمال ہو کہ صفات باری سب صفات کمال (ہیں)“

دلیل ۱۳: ”صدق صفت نقصان ہو کہ وہ عدم کذب کو مستلزم اور اب عدم کذب عدم

کمال اور عدم کمال عین نقصان“

دلیل ۱۴، ۱۵، ۱۶: ”صدق کلی و کذب جزئی جب دونوں صفت اور دونوں ممکن تو دونوں

واجب تو دونوں محال تو اجتماع یقینین و ارتفاع یقینین و اجتماع و ارتفاع سب

ماصل“

دلیل ۱۷، ۱۸، ۱۹: ”بہیئہ اسی طریقے سے دونوں کمال تو دونوں نقصان تو دونوں

مجمع کمال و نقصان“

دلیل ۲۰، ۲۱، ۲۲: ”جب دونوں صفت تو دونوں مقتضی تو دونوں منافی تو دونوں

جامع اقتضاد منافی“

دلیل ۲۳: ”جب دونوں مقتضی تو وجوب ذات مستلزم اجتماع یقینین اور جس کا وجود

مستلزم محال ہو (وہ) خود محال تو بر تقدیر امکان کذب وجود باری معاذ اللہ محال ٹھہرنا

ہے“

دلیل ۲۴: ”اگر کذب کو عیب و منقصت نہ مانے تو اتنا تو بالفروہ ضرور کہ کوئی کمال نہیں،

ورنہ مولیٰ تعالیٰ کیسے واجب الثبوت ہوتا، اول عقل سلیم شاہد کہ باری عزوجل

کی یہ ایسی شے کا ثبوت بھی محال جو کمال سے خالی ہو اگرچہ نقص نہ ہو“

دلیل ۲۵: بد بلاہت عقل شاہد عدل کہ جو مطلق کذب پر قادر ہوگا، کذب مطلق پر بھی قدرت رکھے گا کہ بعض کلام میں کذب پر قادر اور بعض میں اس سے عاجز ہونے کے کوئی معنی نہیں۔

دلیل ۲۶: جب بر تقدیر امکان کذب بوجہ بطلان ترجیح بلامرجح و نیز بکلم بد بلاہت نیز کذب ہر فرد کذب قدرت الہی میں ہوا تو ہر فرد صدق مقدور ہوگا، ورنہ صدق فی بعض واجب یا محال ہوگا تو کذب فی بعض محال یا واجب، حالانکہ ہر فرد کذب مقدور مانا تھا، ہذا خلفت، پس صدق و کذب کا ہر فرد مقدور ہوا اور ہر مقدور حادث، تو کلام الہی سے انزل میں مطابقت و لا یقت دونوں مرتفع اور یہ بد بلاہت محال۔

دلیل ۲۷: ”بہت خوش نصیب، ذی عقل بیب، صرف جمال جہاں آرائے حضور پر نور سرور اکرم مولائے العظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھ کر ایمان لائے کہ ”لیس هذا وجه الکذابین“ یہ منہ جھوٹ بولنے کا نہیں، اسے شخص! یہ اس کے صیب کا پیارا منہ تھا، جس پر خوبی و مبارک دو عالم نثار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور پاکی و قدوسی ہے اس کے وجہ کریم کے لیے، واللہ اگر آج حجاب اٹھائیں تو ابھی کھلتا ہے کہ اس وجہ کریم پر امکان کذب کی تہمت کس قدر جھوٹی تھی، مخالفت اسے دلیل خطابی کے (تو اس کے، مگر میں اسے حجت الیقانی لقب دیتا اور مسلمانوں کی بد بلاہت ایمانی سے انصاف لیتا اور اپنے رب کے پاس اس دن کے لیے ودیعت رکھتا ہوں، یوم ینفع الصدقین صدقہم، یوم لا ینفع مال ولا بنون ہ الا من اتى اللہ بقلب سلیم“

سبحان السبور ص ۲۷

دلیل ۲۸: قال اللہ عزوجل۔ وَمَنْ أَحْصَىٰ مِنْ اللَّهِ قِيْلًا۔ اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔۔۔۔۔ آئیمہ کریمہ نص جلی کہ کذب الہی محال عقلی ہے۔۔۔۔۔ جب یہ امر مہر ہو لیا تو آئیمہ کریمہ کا مفاد یہ قرار پایا کہ اللہ عزوجل کی بات ہر بات سے

زیادہ احتمال کذب سے زیادہ پاک و منزہ ہے۔ کوئی خبر اور کسی کی خبر اس امر میں
اس کے مساوی نہیں ہو سکتی۔ (بسمان السبوح ص ۲۷، ص ۲۹)

دلیل ۲۹:- قال المولى سبحانه وتعالى: قل اى شئى اڪبر شهادة لا ط قـل
الله..... الله کے لیے حمد و منت کہ یہ آیہ کریمہ آیہ سابقہ سے بھی جلی و اظہر اور
افادہ مراد میں اعلیٰ و ازیہر، وہاں ظاہر نظم نفی اصدقیت غیر تھا اور اثبات اصدقیت
کلام اللہ بحوالہ عرف، یہاں صراحتہ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل کی گواہی سب گواہوں
سے اکبر و اعظم و اعلیٰ ہے۔ اب اگر معاذ اللہ امکان کذب کو دخل دیکھیے تو ہرگز شہادت
الہی کو شہادت اہل تو اتر پر تفوق نہیں کہ جو یقین اس سے ملے گا اس سے بھی نہیں
اور جو احتمال اس میں باقی اس میں بھی پیدا۔ تو قرآن پر ایمان لانے والے کو یہی چارہ
کہ مذہب معذب اہل منت کی ظرت رجوع کرے اور عناب عزت کے امکان
کذب سے بات پر ایمان لائے۔ (بسمان السبوح ص ۳۱)

دلیل ۳۰:- دنت كلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل لكلماته وهو
السيم العليم..... علماء فرماتے ہیں کہ باری عزوجل کا کام انتہا
درجہ صدق و عدل پر ہے، جس کا مثل ان امور میں متصور نہیں آگے صدق کے
سات درجے بیان فرمائے، آخری دو ملاحظہ ہوں۔ (-

پچھٹا درجہ :- ”معصوم من اللہ و موید المعجزات ہو کہ کذب کا امکان وقوعی بھی نہ ہے
مگر بنظر نفس ذات امکان ذاتی ہو یہ رتبہ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ
والسلام اجمعین کا ہے۔

ساتواں درجہ :- ”کذب کا امکان ذاتی بھی نہ ہو بلکہ اس کی عظمت جایدہ و جلالت عظیمہ
بالذات کذب و غلط کنانی و منافی ہو اور اس کی ماحضوت عزت کے گرد اس
گرد و لوث کا گزر محال عقلی، یہ نہایت درجات صدق ہے جس سے ما فوق تصور

نہیں۔

(بیجان السبوح ص ۳۰، ص ۳۲)

مذکورہ دلائل کو شرح عقاید نسفی، شرح سنن نسبی، شرح مواقت، تفسیر کبیر، کتاب الارشاد، مواقت، شرح مقاصد، تفسیر ارشاد العقل، تلویح اور بیضاوی وغیرہ کی ظاہر عباراتوں سے رنگ ثبوت دیا اور پھر امکان کذب ماننے والوں کو تنزیہ سوم کے شروع میں یوں فہمائش کی :-

”ابھی سویرا ہے، ہوش سنبھالو، آنکھیں مل ڈالو کہ اس جھکی اندھیری میں کس کے پیچھے ہو، میں نے نہ صرف ایک مسئلہ امکان کذب باری بلکہ خارج، روانقض، معتزلہ، مرسیہ، ظاہریہ، کرامیہ وغیرہم طوائف ضالہ کی بدعتا شیعہ اور ان کے علاوہ صد ہا ضلالت قبوہ قطعہ کی خندقیں جھنکا ئیں، اور تمہیں ان قدر ڈھوکروں، تم لغزشوں کی خبر تک نہ ہوئی، چشم فلک میں وہ بلا کی نیندیں جھک آئیں اور پھر گمان یہ کہ اس بھڑراہ کا ہدایت مال، ہیبت ہیبت کہاں ہیبت اور کہاں یہ چال؟ (بیجان السبوح ص ۳۲)

اسی تنزیہ سوم میں مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی مصنف ”یکروزی“ کے رو کی طرف توجہ ہوئے۔ صاحب یکروزی نے اہل سنت و جماعت کے مسک کو ٹھکراتے ہوئے، توحید و رسالت جیسے بنیادی عقائد کی حدود کو مٹانے بلکہ پوری شریعت محمدیہ کو باطل ٹھہرانے کی غرض سے، امکان نظیر کے ثبوت سے عاجز ہو کر امکان کذب کے غیر اسلامی نظریہ کی علمبرداری کی تھی جو حضرات مصنف یکروزی کو اپنا امام اور پیشوا مانتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان کے متعلق فرمایا :-

”ان ہما سے عنایت فرمائنا نقین ہذا ھو اللہ تعالیٰ الی الحق المبین

کا معاملہ سخت نازک مجاہدہ براہ سادگی ایک شخص کو امام بنا لیا اور پیش خویش

آسمان بریں پراٹھا کر رکھ دیا۔ اب اس کے خلات کسی کی بات قبول ہونی تو

بڑی بات، کان تک آئی اور طبیعت نے آگ لی، آہٹ ہوئی اور غصہ نے
 باگ لی، سننے سے پہلے ہی ٹھہرا لیا کہ ہرگز نہ سنیں گے، بگڑنے کی قسم کہ بنا گے
 نہ بنیں گے۔ ان ہٹوں کا پاس ہدایت سے یاں دلارہا ہے مگر پھر بھی اظہار
 حق کے بغیر چارہ کیا ہے؟

من آنچه شرطِ بلاغِ ست با تومی گرم

تو خراہ از سخنم پند گیر و خماہ ملال

”کاش خدا تہی توفیق دے کہ اک ذرا دیر کے لیے تعصب و نفسانیت
 کو جانِ رخصت ملے، قائلِ امامِ طریق ہے، موترضِ خصمِ فریق، ان حیثیتوں کے
 حساب سے نظر بیچ کر چلے، پھر گوشِ ہوش کو اجازت شنیدن ہو، پھر زیرِ ان
 ٹھوک کو حکمِ بنیدن، اب اگر قولِ خصمِ قابلِ قبول ہو تو حق سے کیوں ناحق عدول ہو
 ورنہ پھر وہی تم وہی تمہارے امام، جو بادہ آج بکام ہے کل بھی درجام، ان چند
 ساعت میں کچھ نہ بنے بگڑے، نہ رنگِ امامت جما ہوا اکھڑے.....
 جانِ برادر! یقین جان، تعصبِ باطل و اصرارِ عاقل کا وبال شدید ہے، آج
 نہ کھلا تو کل کیا بعید ہے؟ (سبحان السبوح ص ۳۳)

امکانِ کذب کے اثبات میں مصنف یکر و زبی کا پہلا دعویٰ یہ ہے:-

”اگر مراد از محال متمنع لذاتہ است کہ تحت قدرتِ الہیہ داخل نیست،
 پس لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ
 لواقع و القائے اں بر ملائکہ انبیاء خارج از قدرتِ الہیہ نیست و
 الا لازم آید کہ قدرتِ انسانی ازید از قدرتِ ربانی باشد چہ عقد
 قضیہ غیر مطابقہ لواقع و القائے اں بر مخالفین در قدرت اکثر افراد انسانی
 است کذب مذکور اُسے منافی حکمت اوست پس متمنع بالغیر است!“

(یکر و زبی ص ۱۷)

اس دعویٰ کو ہمارے متکلم اعظم فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصانیف علمائے اہلسنت کی روشنی میں مسلک اہل سنت کے صریح خلاف اور باری تعالیٰ شانہ کی شان ارفع واقدرس میں زبردست گستاخی ثابت کرتے ہوئے فرمایا:-

” ملائے دہلی کا خدائے موہوم، کہاں کہاں آدمی کی حرص کرے گا؟ آدمی کھانا کھاتا ہے، پانی پیتا ہے، پاخانہ پھرتا ہے اور پیشاب کرتا ہے، آدمی قادر ہے کہ جس چیز کو دیکھتا ہے چاہے آنکھیں بند کر لے، سنتا ہے چاہے کانوں میں انگلیاں دے لے، آدمی قادر ہے کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈبو دے، آگ سے جلے، خاک پر بیٹے، کانٹوں پر بیٹے، راضی ہو جائے، دہابی بن جائے مگر ملائے موہوم کا مولائے موہوم یہ سب باتیں اپنے لیے کر سکتا ہوگا ورنہ عاجز ٹھہرے گا، اور کہاں قدرت میں آدمی سے گھٹ رہے گا، اول عرض خدائی سے ہر طرح ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، نہ کر سکا تو حضرت کے زعم میں عاجز ہوا اور عاجز خدا نہیں۔ کر سکا تو ناقص ہوا، ناقص خدا نہیں۔۔۔۔۔ تو شمس وامس کی طرح اظہر و ازہر کہ دہلوی بہادر کا یہ قول ابتر حقیقتہً انکارِ خدا کی طرف منجر ما قدر اللہ حق قدرہ والعیاذ باللہ من اضلال الشیاطین مگر سبحان ربنا، ہمارا سچا خدا سب عیبوں سے پاک اور قدرت علیٰ المجال کی نعمت سرا پا ضلال سے کمال منزه“ (سبحان السبوح ص ۴)

مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی مصنف رسالہ یکروزہ کا دوسرا دعویٰ یہ ہے:-

”مدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحانہ، ہی شمارند و اور اجل شانہ، باں مدح می کنند بجلالت اخرس و جاد کہ ایشان را کسے بعدم کذب مدح نمی کند پر ظاہر کہ صفت کمال ہمیں است کہ شخسے قدرت بر تکلم بکلام کاذب می دارد بنا بر رعایت مصلحت و مقتضای حکمت بمنزه از شوب کذب تکلم بکلام کاذب

مجاہد..... یادح اں بسیارادون سمت از مدح اول“

(یک روزی صا ملبوعہ ملتان)

اس طول طویل عبارت کا خلاصہ، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے عام فہم اردو میں یوں پیش کیا تاکہ عبارت مذکورہ کے نہ ہریٹ جراثیم کو اردو جاننے والے حضرات بھی دیکھ سکیں۔

”عدم کذب اللہ تعالیٰ کے کمالات و صفات مدائح سے ہے اور صفت کمال و قابل مدح یہی ہے کہ متکلم باوجود قدرت بلحاظ مصلحت، عیب آلائش سے بچنے کو باز رہے، نہ کہ کذب پر قدرت ہی نہ رکھے، گونگے یا پتھر کی کوئی تعریف نہ کرے گا کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا، تو لازم کہ کذب الہی مقدور و ممکن ہو“

(سبحان السبوح ص ۴۲)

مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کے ان دونوں دعادی کا ہمارے عبقری اسلام اور متکلم اعظم نے دلائل تاہرہ و باہرات باہرہ سے وہ بے نظیر رد فرمایا اور اصول و کلام کی کتابوں کا روشنی میں ایسی چالیس جتیں (بنام تازیانے) قائم کیں کہ دہلوی صاحب موصوف کا کوئی حمایتی مناظر آج تک ایک حجت کو بھی غلط ثابت نہیں کر سکا، حالانکہ آج تراسی سال ہو گئے اور نہ ہی کوئی قیامت تک غلط ثابت کر سکتا ہے۔ **يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَعْلُوْا ۗ اِنَّ الْاِسْلَامَ لَيَعْلُوْا ۗ وَلَا تَعْلُوْا ۗ**۔

مذکورہ ابجاث کے دوران اعلیٰ حضرت نے کذب جیسے محالات پر باری تعالیٰ شانہ کو قادر ماننے کی قباحت سمجھائی۔

”واہ بہادر! کیا نیم گردش چشم میں تمام عقاید تنزیہ و تقدیس کی جڑ کاٹ گیا۔ عاجز، جاہل، احمق، کابل، اندھا، برا، گونگا سب کچھ ہونا ممکن ٹھہرا کھانا پینا، پافانہ پھرنا، پیشاب کرنا، بیمار پڑنا، بچہ جننا، اُونگھنا، سونا بلکہ مرجانا، مر کے پھر پیدا ہونا، سب جائز ہو گیا۔ غرض اصول اسلام کے ہزاروں عقیدے

جن پر مسلمانوں کے ہاتھ میں یہی دلیل تھی کہ مولیٰ عزوجل پر نقس و عیب محال
بالات ہیں، دفعۃً سب باطل اور بے دلیل ہو کر رہ گئے۔

(سبحان السبوح ص ۴۲)

اس تنزیہ سوم کے دلائل اتنے بلند پایہ اور تمام کتب اصول و کلام کے مباحث تقدیس
و تنزیہ باری تعالیٰ کی روشنی میں ایسے محققانہ انداز پر بیان ہوئے ہیں کہ سبحان السبوح کے مصنف
پر علامہ سعد الدین تقی زانی اور امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہما کا گمان ہوتا ہے۔ دیگر علمائے
اہل سنت نے بھی اس باطل عقیدے کی تردید میں کتابیں لکھیں اور اپنا فرض ادا کیا لیکن
دہوی صاحب کے دوسرے دعویٰ کے رد میں، سبحان السبوح کی تنزیہ سوم کے مباحث
قسام ازل نے صرف اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حصے میں ہی لکھ دیے تھے۔

براہین قاطعہ میں مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی نے مصنف رسالہ یزدی کے
اتباع میں، امکان کذب کے باطل نظریے کو دوبارہ زندہ کیا اور خلف و عید کو امکان کذب
کی نوع لکھ دیا۔ اس اعتراض پسند اور خلاف اہل سنت کتاب پر مصنف کے استاد،
مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے تقریظ لکھی اور اس کے مباحث و دلائل کے حوت
بہ حوت صحیح مسلم ہونے کی تصریح کی بلکہ امام اہل سنت قدس سرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اس
کتاب کے حقیقی مصنف خود مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ہیں جیسا کہ طرز تحریر سے
ظاہر ہے لیکن محاسبہ سے بچنے کی خاطر اپنے شاگرد کے نام سے شائع کرادی تھی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے "سبحان السبوح" کی تنزیہ چہارم میں، خلف و عید کو امکان کذب
کی نوع بتانے والوں کی تصانیف اشاعرہ و ماتریدہ کی روشنی میں تردید فرمائی۔ اکیس دلائل
سے ثابت کیا کہ خلف و عید کو امکان کذب سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ یہ تو عین جوہر و کرم
ہے۔ اس مدعا کو شرح مقاصد، موافق، شرح طواع، شرح عقاید، مسلم الثبوت، نواح الرحمت
تفسیر بیناوی یعنی انوار التزیل، تفسیر عمادی، ارشاد العقل، سلیم، تفسیر حقی یعنی روح البیان،

ردالمحتار، ماشیہ شرح عقاید النجیالی، حلیہ شرح منیہ، تفسیر کبیر، شرح عقاید نفسی، شرح نقہ اکبر،
مختصر العقاید۔ کتاب الشفا اور نسیم الریاض وغیرہ کی اصل عبارتوں سے ثابت کیا اور فرمایا:-

ساگر چہ علماء مسئلہ خلف میں بلفظ جواز تعبیر کر رہے ہیں، مگر عقل صافی و نظر والی
نصیب ہو تو کھل جائے کہ وہ جس معنی پر خلف جائز کہتے ہیں، اس معنی پر نہ صرف
جائز بلکہ بالیقین واقع مانتے ہیں تو تمہارے زعم۔۔۔۔۔ پر قطعاً لازم کہ ائمہ دین
کذب الہی کو یقیناً وہ موجود بالفعل جانتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کفر جلی اور کیا
ہوگا؟ (سبحان السبوح ص ۸۳)

دلائل کے ساتھ واضح فرمایا کہ علمائے اہل سنت نے کن معنوں میں خلف و عید کو جائز
کھمرا یا اور کن معنوں میں محققین نسائے انکار فرمایا ہے نیز ثابت کیا کہ خلف بمعنی تبدیل کلام
کے استعمال پر اجماع قطعی قائم ہے جس کا کافی زمانہ کوئی خارجی المذہب ہی انکار کر سکتا ہے۔ چنانچہ
براہین تا طبعہ کی عبادت و چنانچہ علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف و عید آیا جائز ہے یا نہیں۔
کار د کرتے ہوئے فرمایا:-

و جب خلف بمعنی تبدیل کے استعمال پر اجماع قطعی قائم اور بمعنی مساوی
عفو بالاجماع جائز بلکہ واقع تو علمائے مجوزین و محققین مانعین میں نزاع کس
امر پر ہے؟ (سبحان السبوح ص ۸۵)

غرض خلف و عید سے امکان کذب ثابت کرنے والوں کے سب راستے بند کر کے
راہ ہدایت کے اس نیر تاباں نے، پچھے اور بے عیب خدا کو چھوٹا بتانے والوں کے ہر گھٹا
ٹوپ اندھیرے کو حریف غلطی کی طرح مٹا کر رکھ دیا۔ امکان کذب کا گیت گانے والوں کو دلائل
سے خاموش کیا اور ثابت کر دکھایا کہ اس باطل نظریے کے علمبردار، ہنوز لا الہ الا اللہ کے
معنی و مفہوم سے بے خبر ہیں یا خبر دار ہیں تو تنزیہ و تقدیس بلکہ توحید و وجود باری تعالیٰ جیسے
بنیادی عقاید و نظریات کو جان بوجھ کر غتر بود کرنا چاہتے ہیں لیکن دور حاضر کے علمبردار توحید و

رسالت کے سامنے مکذبین باری تعالیٰ کا جوش و خروش بیلے کی طرح مسٹ گیا۔ اس حقیقت کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یوں بیان فرمایا ہے:-

”مدعی جدید (نگوہی صاحب) کی حالت نہایت قابلِ رحم، غریب نے امام الطائفہ کی بات بنانے کو عقل و ریانت کو پان رخصت دیا، اپنے رب کو جیسے بنے لائق کذب کر دینے کا ذمہ لیا۔ ائمہ اُمت رسالاتِ امت پر کھلی آنکھوں جیتا بہتان کیا، غرض لاکھ جتن کر چھوڑے مگر کال نہ کٹا، یعنی امام کی پیشانی سے داغِ ضلالت ٹنٹنا تھا نہ مٹا“ (سبحان السبوح ص ۸۹)

دہری اور گنگوہی صاحبان کے اقوال، دربارہٴ امکانِ کذب پر دوسو تا زیاں نے یعنی قاہر اعتراضات از روئے شرح وارد کیے، لیکن تنزیہ و تقدیس باری تعالیٰ سے جلنے والا کوئی خارجی مناظر اپنے مذکورہ بزرگوں کا آنا بھی حق اتباعِ ادا نہ کر سکا کہ آج تک ان میں سے درچار کی گنتی ہی گھٹا سکتا۔

آخر میں اس خیر خواہ اسلامِ مسلمین کی ایمان افروز کفر سوزہ التماس ہدایت اساس کے چند جملے پیش کر کے اس موضوع کو ہمیں ختم کرتا اور برادرانِ اسلام سے ”سبحان السبوح“ کتاب کے پڑھنے کی اپیل کرتا ہوں۔

”مانو تو ایک سہل ترین تمہیں بتاؤں، میرا رسالہ نہہائی میں بیٹھ کر بغور دیکھو، ان دوسو دلائل و اعتراضات کو ایک ایک کر کے انصاف سے پرکھو، فرض کرو کہ دوسو میں استحالہ کذب الہی پر صرف ایک دلیل اور تمہارے خیال اور تمہارے امام کے ... اقوال پر فقط ایک ایک اعتراض قاطع ہر قیل و قال باقی رہ گیا، باقی سب سے تم نے جواب دے لیا، تو جانِ برادر! احقاق حق کو ایک دلیل کافی، ابطالِ باطل کو ایک اعتراض کافی، نہ کہ دلائل باہرہ اعتراضات قاہرہ صد ہا سنو اور ایک نہ گنو، دل میں جانتے جاؤ کہ دلائل باصواب اور اعتراضات

لاجواب، مگر ماننے کی قسم، توبہ کی آن، بلکہ اُسٹے تائیدِ باطل کی فکر سامان یہ تو
حق پرستی نہ ہوئی، بادبستی ہوئی، نشہ تعصب میں سیاہ مستی ہوئی پھر قیامت
تو نہ آئے گی؟ حساب تو نہ ہوگا؟ خدا کے حضور سوال و جواب تو نہ ہوگا؟ اسے
سبیرے، ہدایت فرما اور ان بجلی آنکھوں کو کچھ تو شرمائے
می توانی کہ وہی اشک مرا حسن قبول ہے

اسے کہ در ساختہ قطرہ بارانی را“ (سورح السورح ص ۱۰۵)

علمائے دیوبند سے ہماری گزارش ہے کہ اپنی بھلائی کی خاطر اپنے جملہ غیر اسلامی
عقاید پر نظر ثانی فرمائیں۔ اس صداور تعصب سے آپ حضرات کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑ
رہے بلکہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں لہذا اپنی اور اپنے متبعین کی عاقبت سنوارنے
کی خاطر غیر اسلامی عقاید و نظریات کو ترک کر کے انہیں اسلامی انداز پر اپنا لیا جائے، جس سے
وہ عظمتِ خداوندی اور شانِ مصطفوی کے ظلمات نہ رہیں۔ ایسا کرنے سے آپ کی ظاہری
عزت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی بلکہ ہر عاقل کے نزدیک یہ دانشمندانہ اقدام ہوگا۔
یار کا پاس نزاکت دلِ ناشاد رہے
نالہ رکنا ہوا، تھمتی ہوئی نہ زیادہ ہے

اسے دیوبندیوں نے ایک جھوٹی روایت حضرت حاجی املاو اللہ رحمۃ اللہ کی طرف منسوب کی اور
دیوبندیوں سے مرعوب اور احساس کتری کا شکار لوگوں نے اسے بڑے موکے کا حوالہ قرار دیا وہ یہ کہ
”مولانا گنگوہی ثنائی اللہ اور مولانا احمد رضا ثنائی الرسول ہیں۔ گنگوہی صاحب کسی کی بات شانِ الہی سے
فردتر کھتے ہیں تو سخت گرفت کرتے ہیں۔ مولانا احمد رضا مقام رسالت کے شایانِ شان ہوں کی بات نہ
پاتے توبے چین ہو جاتے تھے“ (ملخصاً) اس من گھڑت روایت کی مفصل و مکمل تردید کسی دوسرے
مقام پر کی جائے گی۔ یہاں ان افترا پر وازوں سے یہ دریافت کرنا ہے کہ خدا پر جھوٹ کا بہتان
باندھنا کیا شانِ الہی سے فردتر نہیں؟ (محمد عارت رضوی)

یہ آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کے بعض اکابر نے شان رسالت میں بعض بہت ہی ناجائز اور انتہائی گستاخانہ الفاظ بھی اپنی تصانیف میں لکھے ہیں حالانکہ سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسے الفاظ لکھنے کی، کسی بڑے سے بڑے اعلانیہ مخالف کو بھی جرأت نہ ہو سکی۔ مانا کہ آپ زور زبان و بیان سے، ناجائز تاویلات کر کے اپنے متبعین کو مطمئن کر لیا کرتے ہیں لیکن جب باری تعالیٰ شانہ کے سامنے پیش ہوگی، کیا اس وقت یہ حربہ کارگر ہو سکے گا؟ ہرگز نہیں۔ لہذا ایسے تمام گستاخانہ کلمات کو ان تصانیف سے خارج کر دینے میں دارین کی بھلائی ہے ورنہ

قریب ہے یار دروزِ محشر چھپے گاشتوں کا خون کینوگر
جو چھپ ہے گی زبانِ خنجر، لو پکاسے گا آستیں کا!



(۷)

فقہ کا مقام

قرآن و حدیث کی تعلیمات کے نچوڑ کا نام فقہ ہے۔ فقہ پر اسی کو عبور حاصل ہو سکتا ہے جو تمام اسلامی علوم سے برہ مند ہو۔ اگر ایک عالم دین اعلیٰ درجے کا مفسر یا محدث ہے تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ بلند پایہ فقہیہ بھی ہو لیکن اس کے برعکس جو بلند پایہ اور وسیع النظر فقہیہ ہے وہ لازمی طور پر بہترین مفسر، اعلیٰ درجے کا محدث اور لا جواب متکلم بھی ہوگا۔

اماموں اور فقیہوں کے سردار سراجِ امتِ مصطفوی، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم فقہی مقام سے کون منکر ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آپ کی علمیت کو جملہ ماہرین علوم و فنون یعنی علمائے امت و ساداتِ ملت نے سراہا اور آپ کے تاجِ فضیلت کی گواہی دی ہے مثلاً:-

۱۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:- الناس کلہم عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ
یعنی تمام لوگ فقہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بال بچے ہیں۔

(صَدَّثْتُ يَا سَيِّدِي)

۲۔ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:- "من مناقب ابی حنیفۃ التي انفرد بها انه اول من دون علم الشریعة ورتبہ ابو ابی ثمر تبعہ مالک ابن انس فی ترتیب الموطا و لم یسبق ابی حنیفۃ احد" (تبلیص الصغیر فی مناقب الامام ابی حنیفہ یعنی امام ابو حنیفہ کے

ان خصوصاً مناقب میں سے جن میں وہ منفرد ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اسے (ابواب پر) ترتیب دی۔ پھر امام مالک بن انس (رحمۃ اللہ علیہ) نے موطا کی ترتیب میں ان ہی کی پیروی کی۔ اس میدان میں ابو حنیفہ سے سبقت لے جانے والا کوئی نہیں۔

۳۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "سبحان اللہ ہو من العلم والورع" داینامہ الدار الاخرۃ بمحل لا یدرکہ احد" (مناقب ابی حنیفہ از ذہبی) سبحان اللہ! وہ (امام اعظم) تو علم، ورع اور عالم آخرت کو اختیار کرنے میں اس مقام پر ہیں جہاں کسی کی رسائی نہیں۔

۴۔ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: "ما مقلت عینی مثل ابی حنیفۃ" (مناقب ابی حنیفہ از ذہبی) میری آنکھ نے ابو حنیفہ کی مثل نہیں دیکھا۔

۵۔ جرح و تعدیل کے امام، یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت دی۔ انہ د اللہ لا علم ہذہ الامۃ بما جاء عن اللہ وعن رسولہ" (تاریخ امام طحاوی) بے شک خدا کی قسم، امام ابو حنیفہ اس امت میں خدا اور رسول سے جو کچھ وارد ہوا اُس کے (قرآن و حدیث کے) سب سے بڑے عالم ہیں۔

تمام نقباء و مجتہدین کے بادشاہ، جناب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ اُن سرمایہ روزگار مستیوں کے ہزاروں میں سے چند بیانات پیش کیے ہیں جو آج آسمان علم کے شمس و قمر ہیں۔ ان میں مفسر، محدث، فقہیہ، جرح و تعدیل کے امام اور عارف کامل وغیر ہم سب شامل ہیں لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ چونکہ نقیبہ اعظم ہیں اسی جامعیت کے پیش نظر سب ان کے ملاح ہیں۔

آپ کے زمانہ سے لے کر آج تک امت محمدیہ کے اکثر مفسر، محدث، متکلم اور نقیبہ آپ کے ہی خوشہ چین اور مقلد ہیں اور بہت تھوڑے حضرات دیگر ائمہ ثلاثہ کے۔ یہ

مدلل و مفاحت محض اس وجہ سے کی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ فقہیہ کا علمی مقام محض ایک مفسر یا محدث سے بہت بلند ہوتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی علمیت نیز علمائے متقدمین و متاخرین کی تصانیف پر آپ کا عبور اور زبردست طرزِ استدلال کی ہلکی سی جھلک، ان کی صرف چھ تصانیف کی روشنی میں دکھائی ہے۔ ان کے علاوہ ان کی سینکڑوں کتابیں اور ہزاروں فتوے اس امر پر شاہد عادل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فقہی مقام، حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا تھا کوئی معاصر آپ کا اس میدان میں برِ مقابل نہیں، نہ اس ملک میں نہ بیرون ملک۔

جن چھ کتب کا اجمالی خاکہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا چکا ہے ان میں سے حیات الموات، منیر العین اور عاجز البحرین سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر فی الحدیث کا بخوبی پتہ لگ جاتا ہے۔ حیات الموات کے ذریعے، منکرین سماع موتی کی جہاں ہر ایک دلیل کا مسکت جواب دیا وہاں منیر العین کے ذریعے آپ نے احادیث کو ضعیف ہے ضعیف ہے کی رٹ لگا کر رد کرنے والوں کو بھی ہمیشہ کے لیے ساکت و صامت کر دیا۔

”عاجز البحرین“ کو پڑھیے تو غیر مقلدوں کے شیخ الکل، میاں نذیر حسین صاحب دہلوی بھی اعلیٰ حضرت کے سامنے یوں نظر آ رہے ہیں جیسے کوئی چڑیا باز کے پنجوں میں گرفتار ہو۔ ”سبحان السبوح“ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے سب سے بڑے متکلم تھے۔

”حسن التعم“ میں جو مسکلمہ تیم کے تعلق، متقدمین و متاخرین فقہاء کے اکثر اقوال جمع کر کے فاضلانہ اور محققانہ بحث کی ہے اس سے روز روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ فقہ میں آپ کی پرواز، نادر روزگار معاصرین کے فہم و ادراک سے بھی بلند و بالا تھی۔

کہ مکرمہ کے ایک فاضل جلیل، عالم بیل، محافظ کتب حرم سید اسمعیل بن سید علیل رحمۃ اللہ علیہما نے مجدد ماتہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ دیکھ کر فرمایا تھا۔ واللہ اقول والحق اقول انه لو رأها ابو حنیفة النعمان لا قوت عینہ ولجعل مولفها من جملة الاصحاب یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ اگر اس فتوے کو امام ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اس مولف (اعلیٰ حضرت) کو اپنے اصحاب (امام ابو یوسف و امام محمد و غیرہ رحمہم اللہ) کے درجے میں شامل فرماتے۔

ابھی تک ہم نے اس مقالے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا تبصرہ جو ان کی بعض تصانیف سے ظاہر و باہر ہے۔ دکھانے کی غرض سے اجمالی خاکہ پیش کیا ہے مگر بتوفیقہ تعالیٰ ہم اس سے آگے قدم بڑھانا چاہتے ہیں یعنی اب دکھانا یہ ہے کہ متقدمین و متاخرین فقہاء کے درمیان اعلیٰ حضرت کا مقام کیا ہے؟ چونکہ یہ مقام بہت اہم اور نازک ہے۔ لہذا علمائے کرام سے درخواست ہے کہ جہاں احقر اپنی علمی بے بائگی کے سبب ٹھوکر کھا جائے تو اصلاح فرمادیں۔ پہلے فقہ کی تعریف اور فقہاء کے درجے بیان کر دینا ضروری ہے۔

فقہ: "العلم بالاحکام الشریعة المكتسبة من ادلتها التفصیلة" (تویر الابصار) یعنی احکام شریعیہ فرعیہ کا جاننا جو اپنے تفصیلی دلائل سے اخذ کیے گئے ہوں۔

اصول فقہ: النظر فی ادلة الشریعة من حیث تؤخذ الاحکام والتکالیف" (مقدم ابن خلدون) یعنی دلائل شریعیہ میں اس طرح غور و خوض کرنا کہ ان کے ذریعے احکام و تکالیف معلوم ہو سکیں۔

فقہیہ: "لیس الفقہہ الا المجتہد عندہم و اطلاقہ علی المقلد العانظ للمائل مجاز" (رد المحتار جداول) یعنی اصولیین کے نزدیک فقہیہ مجتہد بھی ہے اور مسائل کے یاد کرنے والے مقلد پر تشبیہ کا اطلاق مجازی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ

فقہائے کرام کے حسب ذیل چھ لہجے ہیں۔

۱۔ مجتہدین فی التشریح :-

جوا حکام شریعہ کی روشنی میں اصول و قواعد مقرر فرماتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ
تعالیٰ۔

۲۔ مجتہدین فی المذہب :-

جو اصول و قواعد میں مجتہد فی المذہب کے تابع ہوتے ہیں لیکن استخراج مسائل کی اہلیت
رکھنے کے سبب بعض مسائل میں اپنے امام سے اختلاف بھی کرتے ہیں جیسے امام
ابویوسف و امام محمد وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۳۔ مجتہدین فی المسائل :-

یہ اصول و فروع میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور کسی مسئلے میں امام کی مخالفت
کے مجاز نہیں لیکن جس مسئلے کے متعلق امام کا فیصلہ نہ پایا جائے وہاں اپنے امام کے
مقرر کردہ اصول و قواعد کے تحت اس کا استخراج کرتے ہیں۔

۴۔ اصحاب تخریج :-

انہیں اصول اور اس کے قواعد و ضوابط پر تو پورا عبور ہوتا ہے لیکن اجتہاد کی قدرت نہیں
ہوتی۔ اس لیے انہیں صرف مجل قول کی تفصیل کا اختیار ہوتا ہے جیسے جصاص، ابو بکر
لازمی اور کرخ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۵۔ اصحاب ترجیح :-

یہ حضرات بھی ہر قسم کے دلائل پر گہری نظر رکھتے ہیں لیکن اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتے
یہ بلحاظ قوت، دلائل کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں
جیسے صاحب قدوری صاحب، ریم وغیرہ۔

۶۔ تمیزین :- یہ حضرات بھی اجتہاد کی قدرت بالکل نہیں رکھتے۔ ہاں جملہ اقسام

کے دلائل پر گہری نظر ہوتی ہے اور بلحاظ قوت و صحت کے، دلائل میں تیز کرنے کی اہمیت رکھتے ہیں جیسے صاحب کنز و صدر الشریعہ وغیرہ۔

ان مذکورہ چھ طبقوں کے علاوہ باقی سب، تقلیدین محض ہیں اب ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت مجدداتہ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے، کس طبقے میں شامل ہیں یا تقلد محض؟
وباللہ التوفیق۔



(۸)

کتاب مثل خنزیریں عین ہے یا نہیں؟

بنارس سے مولوی عبدالحمید صاحب نے کتے کے خبث ہونے نہ ہونے کے بارے میں دلائل پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ سے تصفیہ طلب کیا۔ فقہیہ اعظم کارہوڑ قلم ایسا حرکت میں آیا کہ میدان تحقیق میں سرپٹ دوڑتا ہی چلا گیا۔

نفس مسئلہ ابتدا میں یوں بیان فرمایا:۔ ”فی الواقع ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں یہ جانور (کتاب) سائر سباع کے مانند ہے کہ لعابِ خبث اور عین طاہرہ یعنی مذہب صحیح اصح و معتدوموید بدلائل قرآن و حدیث و مختار ماخوذ للفتویٰ عند جمہور مشائخ القدیوم والحدیث ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ جلد دوم مطبوعہ میرٹھ ص ۴۹)

اس کے بعد بقدر کفایت، احادیث سے دعویٰ کو ثابت کر کے میدانِ فقہ میں قدم رکھتے ہیں۔ فقہائے قدیم و جدید کی تسانیف سے پچاس متون و شرح، فتاویٰ و مختصر کی عباراتیں نقل فرماتے ہیں۔ ان عبارتوں کا تو یہ مقالہ تحمل نہیں ہو سکتا۔ ہاں ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

- (۱) قدوری (۲) ہدایہ (۳) وقایہ (۴) نقایہ (۵) مختار (۶) کنز (۷) وافی (۸) اصلاح
- (۹) نور الایضاح (۱۰) ملقی (۱۱) تنزیہ (۱۲) بحر الرائق (۱۳) غنیہ (۱۴) فتح اللہ للعین۔
- (۱۵) کافی شرح وافی (۱۶) مستخلص الحقائق (۱۷) تبیین الحقائق (۱۸) مجمع الانہر (۱۹) جامع الرموز
- (۲۰) حاشیہ شرح مراقی (۲۱) علیہ (۲۲) طحاوی علی الدر (۲۳) تحفۃ الفقہاء (۲۴) محیط امام
- رضی الدین (۲۵) بدائع امام کاشانی (۲۶) غنیہ شرح منیہ (۲۷) صغیری (۲۸) تیسیر المقاصد۔

(۲۹) حاشیہ طحطاوی علی الدر (۳۰) التجنیس والمزید (۳۱) بزازیہ (۳۲) جامع صغیر (۳۳) نصاب (۳۴) مجموعہ علامہ انقروی (۳۵) تفسیر (۳۶) طریقہ محمدیہ (۳۷) مجمع الفتاویٰ (۳۸) وجیز (۳۹) خلاصہ (۴۰) شرح ہدایہ علامہ کاکی (۴۱) نہایہ (۴۲) عقد الفوائد (۴۳) شرح طحاوی لامام اسپجیابی (۴۴) ذخیرہ (۴۵) توشیح شرح ہدایہ (۴۶) تجرید (۴۷) عمدۃ المفتی (۴۸) مرتاۃ (۴۹) منعتہ الخالق اور (۵۰) نر الخالق۔
ربکان اللہ! اسی لیے:۔

حرم والوں نے بزرگ زبان، اعلان فرمایا

”علوم و معرفت میں آج کل سب سے عوام تم ہو“ اختر

چونکہ اس مسئلے میں نقباء کے مابین اختلاف موجود ہے، لہذا فوق ثانی کی طرف توجہ فرمائی اور کشف حقائق و شرح دقائق کی غرض سے پہلے ”سراج الوہاج“ کی اسس عبارت سے کلام شروع کیا، جو اس میں ذخیرہ سے، اس بارے میں منقول ہوئی ہے، یعنی ”ان جلد الکلب نجس وشعرہ طاک ودهو المختار“۔ یہی رائے تفسیر ابواللیث، سمرتندی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ شرنبلالی، الدر ابوالسعود اور نظم الدر میں بھی اسی کا اختیار کیا گیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں جو نظریہ ظاہر کیا، امام اہلسنت نے اسے نقل کر کے پانچ درجہ سے اس پر بحث اور تنبیہ کی۔ پھر علامہ ابوالسعید الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کر کے اس پر بھی متعدد درجہ سے بحث اور تنبیہ کی۔ بعد اکتے کے نجس عین نہ ہونے کے دلائل کی سات درجہ سے ترجیح ثابت کی۔

اولاً امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتاب نجس عین نہیں بلکہ شل سائر اسباع ہے۔ اور امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ نے تجنیس میں فرمایا ہے: ”الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفۃ علیٰ کل حال“

ثانیاً ظہارت ہی قول اکثر ہے اور قول اکثر کے متعلق ردالمحتار میں ہے: ”قد صحوا

بان العمل بما عليه الاستتار“ ۱۷

نماذای موافق احکام قرآن و حدیث ہے۔

رابعاً ہی من حیث الدلیل اقویٰ بلکہ قول تجنیس پر دلیل اصلاً ظاہر نہیں۔ ”وقد

سعت الغنیة لعدم الدلیل علی نجاسة العین“ ۱۸

فاساً اگر دلائل میں تعارض بھی ہو تو ترجیح اصل کو ہے اور تمام اشیاء میں اصل طہارت

ہے۔

سادساً تیسرا ہی میں ہے ارر فرمان رسالتؐ جانب تیسرے ہے ”یسردا ولا

(احمد، بخاری، مسلم، نسائی)

تسردوا“

سابعاً تا ملان تجنیس کے اقوال خرد منسرب ہیں۔

اضطراب قائلین تجنیس

۱۔ جس مہرولہ امام شمس الاکبر بخاری کے مسائل الاسار میں ہے: ”الصحيح من

المدھب عندنا ان عین الکلب نجس“ اسی کے باب الحدیث

میں ہے ”جلد الکلب یطھر عندنا بالذباغ خلافاً للحن

والشافعی لان عینہ نجس عندھما و لکننا نقول الانتفاع بہ

مباح حالۃ الاختیار فان کان عینہ نجسۃ لما ابیح

الانتفاع بہ“ اور اسی کی کتاب الصید میں ہے: ”بھذا یتبین

انہ لیس بنجس العین“

۲۔ جس فتاویٰ رول الجیہ میں مسد تجنیس ثوب باتفاض کلب بیان کیا ”قال فی

البحر ولا یخفی ان هذا علی القول بنجاسة عینہ“ اسی میں شامل

تجنیس مسد جواز صلوٰۃ مع قلاوہ اسنان کلب بیان فرمایا ”قال فی

البحر ولا يخفى ان هذا كله على القول بطهارة عينه“

۳۔ جس ایضاً میں عبارت بسوط شیخ الاسلام فی ردایۃ لا یطهر وهو الظاهر

من المذهب“ نقل کر کے خود اپنے متن اصلاح کے قول ”الاجلد

الخنزیر والأدمی“ پراعتراض فرمایا ”الحصر المذکور علی خلاف

الظاهر“ اکی کی کتاب البیرع میں فرمایا: صح بیع الکلب خلاف

للساغی لانه نجس العین عندنا لانه ینتفع به“

۴۔ جن دروغر میں وہ فرمایا تھا کہ ”الکلب نجس العین“ ان ہی کی بیرع

میں ہے ”صح بیع کل ذی ناب کالکلب لانه مال متقوم الا الخنزیر

لانه نجس العین“ اور مختصاً۔

۵۔ جس خزانتہ المقتین میں ہے ”عینہ نجس“ اکی میں ہے ”سنہ لیس

بنجس“

۶۔ جس خانہ میں مسائل متقدمہ شعروا تنفاض فرمائے اور فرمایا ”اذا امشی کلب

علی الثلج یصیر الثلج نجساً کذا الطین والرغۃ“ اور مختصاً

یہاں تک کہ علیہ وغنیہ و بجر اراق میں واقع ہوا ”واللنظ للبحر اختار

قاضی خاں فی الفتاویٰ نجاسة عينه و فرغ علیہا فروغاً“

اسی خانہ میں فرمایا ”سنہ غیر نجس“ اور فرمایا ”لوصلی فی عنقہ

قلادة فیہا سن کلب اوزئب یجوز صلوٰتہ“ اور فرمایا ”ان کان

فی کلبہ ثعلب اوجر و کلب لا تجوز صلوٰتہ لان سورۃ لا یجوز

به التوضؤ“ بلکہ صاف واضح فرمادیا کہ اس کی نجاست عین کے یہ معنی ہیں کہ

اس کا ماری نجاسات ہیں۔ لہذا اس کا بدن غالباً ناپاک ہوتا ہے۔ حیث قال

”ینزح کل الماء اذا وقع فیہا کلب او خنزیر مات اولہ

یبت اصاب الباء فم الواقع اوله یصب اما الخنزیر فلان عینہ نجس
والکلب کذا لک ولہذا الوابتل الکلب وانتفض نا صاب ثوبا اکثر
من قدر الدرہم انسداد لان ما واک النجاسات وسائر السباع بمنزلة
الکلب“ (اصح لمخصراً) اور اسی باب سے ہے عامہ کتب مذہب کا اتفاق کہ کلیہ نہ کل
اھاب دیغ فقد طہر“ سے سوانخزیر کے کسی جانور کا استثنائاً نہیں فرماتے، فقیر کی
نظر سے نہ گزرا کہ کسی کتاب میں یہاں ”والکلب“ بھی فرمایا ہو اگر چہ دوسری جگہ طہارت
جلد کلب میں خلافت نقل کریں۔

(تذاتی رضویہ جلد دوم ص ۵۴)



(۹)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

۵ آکھ سنادے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاقِ طبعِ لذتِ سوزِ جگر کی ہے

صحیح احادیث کے مطابق کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممنوع ہے اور خلافتِ سنت
بے نیکین بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دفعہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مروی ہے۔ علمائے کرام نے اس کی تاویس کرتے ہوئے
مختلف جواب دیے ہیں جو یکجا کرنے پر آٹھ بنتے ہیں۔ ان جوابات پر امام اہل سنت و جماعت
ایلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح ملاحظہ ہو۔

جواب اول: امام ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں اور ابن شاہین نے کتاب السنۃ میں
کہا کہ حدیثِ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ حدیث منسوخ ہے۔ امام عسقلانی اور
علامہ عینی دونوں نے اس کا تعاقب کیا، وہ فرماتے ہیں: "الصواب انہ غیر منسوخ
زاد العینی لابن کلاص عائشۃ وحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخیر بہما
شاهد ہما" امام اہل سنت نے اس تعاقب کا یوں جواب دیا۔ "معلوم ان حدیث
حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لم یکن فی اخر عمرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم و تدراۃ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا و اطلعت علی انعالہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی یوم لحق اللہ عزوجل و انہا یؤخذ بالآخر
فلاخر من انعالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکون کل اخیر بہا شاهد

لا ینسخ النسخ اذا علمنا ان احادی الشاهدین متاخرۃ مستمرة والحادی
 علی حکم النسخ ما صح من قوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انه من
 الجفاء وقد کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد الناس عنه

جواب دوم: امام عبد العظیم زکی الدین منذری نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ قال العینی

قال منذری لعله كانت في السبابة نجاسة رطبة وهي رطوبة فحشي ان
 يتطاير عليه قال العيني قيل فيه نظر لان القائم اجدر به هذه الخشية
 من القاعد وقال الطحاوي لكون ذلك سهلا ينحدر فيه البول فلا يرتد
 على البائل

اس پر اعلیٰ حضرت مجدداتہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح ملاحظہ ہو۔ انما اتجہ

هذا على منذری لزيادة خشية التطاير ولوقال كما قلت لسلم فقد
 تكبرن مجمع نجاسات رطبة لا يوجد معها موضع جلوس ثم رأيت
 في المرقاة قال قال السيد جمال الدين قيل فعل ذلك لانه لم يجد
 مكانا للقعود لا متلاء الموضع بالنجاسة

اصف فهذا ما ذكرت وهو
 الصواب في الجواب۔

جواب سوم: یہ جواب علامہ اہری نے یوں دیا: قال العینی قال بعضهم

لانه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم يجد مكانا للقعود لكون الطرف
 الذي يليه من السبابة عاليا مرتفعاً وقال القاري في المرقاة قال الا
 بهري قيل كان ما يقابل من السبابة ومن خلفه منحدر مستفلا
 لو جلس مستقيل السبابة سقط الى خلفه ولو جلس مستدبرها بدأ
 عورته للناس

اصف وقال بعد اسطر قيل فعل ذلك لانه ان استدبر
 السبابة تبدوا عورته للمارة وان استقبلها خيف ان يقع على ظهره

مع احتمال ارتداد البول اليه“ اھ

اس کی اصلاح امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں فرمائی اقول اولاً۔ فی

ہذہ الزیادۃ ما علمت ان القائم اجدر بہ“ وثانیاً۔ لو كان ما
يستقبله صلى الله تعالى عليه وسلم منها عالياً مرتفعاً لم يكن ان
يختاره لهذا الارتداد البول۔ تطعايل الصواب نيه ما قال ابن حبان كماً
نقل عنه في فتح الباری انه صلى الله تعالى عليه وسلم لم يجد مكاناً
يصلح للقعود فقام لكون الطرف الذي يليه من السباطة كان عالياً
فامن ان يرتد اليه شيء من بوله۔ اھ نجعل ما قام عليه عالياً و ما
يقابله منحدرًا وجعله سبب الامن بن ارتداد البول فالقلب الامر على
من نقل عنه الا بهرى نجعل ما قام عید منحدرًا ما يقابله عالياً وجعله
سبب خوف السقوط في القعود مع انه كذلك في القيام الا نادراً“

فان قلت۔ هذا يرد على ابن حبان ايضاً اذ لا يظهر فرق في مثله بين القيام

والقعود لان الصيب اذا كان بحيث لا يستقر عليه القاعد فخذ القائم
اقول۔ بلى قد تكون كهياًة مثلت له حرف دقيق يستقر عليه القائم
اذا وضع عليه وسط قدميه الاعتدال الثقل في الجانبين بنحلات القاعد
فانه لا مستقر عليه الا لقدميه وسائيه وثقل سائر جسمه لاحامل له“

جواب چہارم۔ نكرة القارى عن زين العرب عن حجة الاسلام

قال العيني قال الشافعي لما سئل جفص الفرد عن القائدة في بوله قائماً
العرب تستعمل في لوجه الصلب بالبول قائماً فترى انه كان به اذ ذاك اھ
وفي فتح الباری روى عن الشافعي واحد فذكر نحوه قال العيني
قلت يرضم ذلك حديث ابى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ المذكور انفا“ اھ

اس جواب پر امام اہل سنت نے یوں قدر فرمائی: "لا ادری ما هذا فان فعل
شیء الاستشفاء من مرض تصدأ غیر مضطر الیہ من فعلہ مع عدم
الاختیار لاجل الاضطرار"

جواب پنجم: زعم المازری فی کتاب العلم فعل ذالک لانہا حالة یؤمن
فیہا خروج المحدث من السبیل الآخر بخلاف القعود منه قول عمر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ البول قائماً حصن للذیور۔ اور نقلہ فی العبدۃ زاد العسقلانی
ففعل ذالک لکونہ قریباً من الدیار۔ اور اس جواب پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف سنیہ کی
ملاحظہ ہو۔ **اقول:** "وانا تستبشع مثل ہذا التعلیلات فی انعالہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم وقد عصی اللہ تعالیٰ من کل ما یتہجن"

جواب ششم: قال العینی تکلموا فی سبب بولہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم قائماً فقال القاضی عیاض انہا فعل لشغلہ بامور
المسلمین فلعلہ طال علیہ المجلس حتی حصرت البول ولم یکن
التیاعد کعادتہ واراد السباطۃ لدمنہا واقام حذیفۃ لیسترہ
عن الناس۔ اور

اس جواب پر امام اہل سنت کا اعتراض اور پیر اصلاح ملاحظہ ہو۔ **اقول:** ای مساس
لہذا بسببۃ الفعل قائماً انما ہو وجہ لتوکلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
الابعاد المعتاد لہ فی ہذا ذکرہ فی فتح الباری فہذا یحتاج فی
تسدیدہ الی ان یضم الیہ ما ذکرہ المازری والابطل کما یحتاج
ما ذکرہ المازری فی تائیدہ الی ان یضم الیہ ہذا کما فعل ابن حجر
والاضعت۔ (تاری رضویہ جلد دوم ص ۳۳۱)

قارئین کے سامنے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علم حدیث میں وسعت نظر، صحیح انداز فکر

اور تائیدِ ربانی کی ہلکی سی جھلک پیش کی ہے۔ مندرجہ بالا چند عبارتیں یہی کچھ دکھانے کی غرض سے نقل کی ہیں حالانکہ امام عسقلانی، علامہ عینی، امام عبدالعظیم زکی الدین منذری، علامہ ابری اور مولانا علی قاری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہ مایہ ناز اور سرمایہ روزگار علمی ہستیاں ہیں جن پر اہل اسلام جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ لیکن یہ

درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ
فقروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ



(۱۰)

قوانین العلماء

ایک شخص تیمم کر کے نماز پڑھ رہا ہے، نماز سے پہلے یا بعد میں دوسرے کے پانی پر مطلع ہوا۔ اس مسئلے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالے کی طرح ڈالی، جس کو ”قوانین العلماء ذی تیمم عند زید الماد“ کے نام سے موسوم کیا۔ اس میں علمائے متقدمین و متاخرین کی تصانیف سے متعلقہ عبارتیں نقل کر کے، ان کی آپس میں مطابقت اور مخالفت وغیرہ ظاہر کر کے ہر ایک پر کمال بحث فرمائی اور صراحتاً ایسے امور کا اضافہ فرمایا، جن سے تمام مختصر اور مفصل فقہی کتابوں یعنی متون و شروح کا دامن خالی ہے۔

غرضیکہ فضل خدا و عطائے مسطقی رطل جلالہ و وصل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سے امام اہل سنت نے میدان تحقیق میں وہ بے نظیر کمال دکھایا ہے کہ ایسے چھوٹے سے مسئلہ پر اتنا جامع اور کمال و دلال بیان، چشم فلک نے آج تک نہ دیکھا ہو گا۔

مزین جس سے ہے تاج فیضیت، تاج والوں کی

وہ لعل پُرضیا تم ہو، وہ دیر بے بسا تم ہو

اس مسئلہ کے بارے میں فقہاء کے نظریات کی جو نشان دہی فرمائی گئی، اس کا بیان

ضروری نظر آتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص تیمم کر کے نماز پڑھ رہا ہے دوسرے کے پاس پانی ہے

اس کے متعلق علمائے کرام نے کیا حکم دیا ہے؟ چنانچہ کافی، خانیہ، خزانتہ المتعین، نسایہ

پچی، خزانتہ اور برجنزی میں ہے: ”لا یجوز التیمم قیل الطلب“ خواہ امید نہ تھی یا بعد

نماز طلب کا جواب نفی میں ملا، کسی صورت کا استثنا نہیں کیا۔

علاوہ بریں امام صفا، قدوری، ہدایہ، تبیین، منیہ، غنیہ اور ہروی علی الکنز میں ہے۔
 صلی بالتیمو قبل الطلب لا یجزیہ! یہ اس سے بھی صریح تر بیان ہوا، اسی طرح،
 مبسوط، شرح وقایہ اور جواہر اظلامی وغیرہ میں ہے "ان لا یطلب و صلی لا یجوز
 لفظ الجواہر شرعاً فی الصلوٰۃ قبل الطلب لا یجوز" یعنی پانی مانگے بغیر پڑھنی
 تو نماز نہ ہوئی۔ مذکورہ احکام کہ نماز نہ ہوئی یا تمیم نہ ہوا، دونوں متحد ہیں کیونکہ تمیم نہ ہونے کی
 صورت میں بھی نماز نہ ہوئی۔ اسی طرح علیہ میں ہے: "لا یصح التیمم الا بعد المنع"
 لیکن صحیح، معتقد اور ظاہر الروایت وہ حکم ہے جو امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ
 پنجم کے تحت، زیادات، جامع کرنی، محیط سرخسی، خلاصہ، درحیز، شرح وقایہ، علیہ، عالمگیریہ،
 بحر اور غنیہ کی عبارتوں سے ثابت کیا کہ بطلان نماز کا مذکورہ حکم صحیح نہیں کیونکہ صرف غلبہ ظن
 عطل سے نہ تمیم باطل نہ نماز لیکن اگر بعد میں ظن عطل کی خطا ظاہر ہو جائے تو تمیم و نماز دونوں
 صحیح و تام ہیں۔ اس صریح تعارض کی نشاندہی کر کے، مؤخر الذکر حکم کو بدلائل ترجیح دینا اور
 اول الذکر کی محققانہ اصلاح فرمانا، صرف اعلیٰ حضرت ہی کا حصہ ہے۔ ذالک فضل اللہ
 یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم

اس کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء کے قوانین پیش فرمائے جو قابل
 اصلاح تھے مثلاً:-

- ۱۔ سب سے پہلے امام صدر الشریعہ کا قانون پیش کیا اور اس پر تین وجہ سے کلام کیا۔
- ۲۔ پھر صاحب بحر الرائق کا قانون نقل کر کے اس پر گیارہ وجہ سے کلام کیا۔
- ۳۔ بعد علامہ حلبی کا قانون پیش کر کے اس پر نو وجہ سے کلام کیا۔
- ۴۔ آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "قوانین رضوی" کے عنوان سے اپنا قانون
 پیش فرمایا کہ دنیا کے اسلام کی مایہ ناز علمی مستقیاں انگشت بندناں رہ گئیں اور شکر خدا
 بجالائے کہ ایسے عظیم الشان امام کے فیوض و برکات سے مستفید و مستفیض ہونے

کا موقع ملا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے اس قانون کو ۴۲۶ اقسام پر منقسم کیا یعنی بالسوال عطا
۲۴ اور مابدونہ عطا۔ ۳۔ تو مجموعہ عطا ۴۲۷ ہوا۔ بالسوال وعدہ ۷۲ اور مابدونہ وعدہ
۹۶ تو مجموعہ وعدہ ۱۶۸ ہوا۔ بالسوال سکوت ۹۹۔ بالسوال منع ۹۹۔ خاموشی مابدونہ
۶۔ جملہ اقسام کا مجموعہ ۴۲۶ ہوا۔ ان سب کو انیس قاعدوں کے تحت دس
اقسام میں محصور کر دکھایا۔ (سبحان اللہ)

پانی بغیر مانگے نماز پڑھ لی خواہ نہ مننے کا ظن غالب یا ثمن موجود نہیں یا یاد نہ رہا یا بعد نماز
مانگایا پانی دینے والے نے خود پیش کش کی یا سوال پر انکار کر دیا یا سکوت کیا یا پانی دے
دیا وغیرہ جملہ صورتوں کا شمار تیرہ سو اسی تک پہنچایا اور ہر صورت کا صحیح، معتد اور ظاہر الروایت
حکم، کتب مذہب کی روشنی میں مدلل کیا۔ بعض فقہاء کی غلطیوں کی تصانیف کی روشنی میں سیکڑوں
وہ صورتیں بیان فرمائی ہیں، جن کا بیان تک کسی بھی لغتی کتاب میں موجود نہیں ہے، پھر ان صورتوں کے شرعی
احکام، علمائے متقدمین و متاخرین کی تصانیف سے ہی اخذ کر کے دکھا دیے۔

قد جوہر بید مذہبہری کے اصول کے تحت علمائے حرمین شریفین نے اعلیٰ حضرت
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جن عظیم و جلیل خطابات سے نوازا تھا وہ مبالغہ نہیں ہیں بلکہ عین حقیقت
ہے۔ آپ کے کمالات عالیہ کے پیش نظر قدما و علماء راہنہ کی ارواح طیبہ بھی شاداں دفرحاں
ہوں گی کیونکہ سبحان السبوح اور المعتمد المستند ایسی بلند پایہ کتب کے مصنف اور بیسیوں
دیگر کتب و رسائل علم کلام کے محشی کا مقام، اول درجے کے تشکیل میں شمار ہوتا ہے۔ اسی
طرح فقہاء کے زمرے میں آپ ایک مایہ ناز اور عظیم ترین نقیبہ ہیں اور جہاں ممتازین، اصحاب
ترجمہ اور اصحاب تخریج کی جملہ صفات آپ کے اندر بدرجہ اتم نظر آ رہی ہیں، جیسا کہ ماہرین
علم و فن پر واضح درویشن ہے، وہاں بعض صفات، مجتہدین فی المسائل اور مجتہدین فی الذمات
کی بھی پائی جاتی ہیں۔

فتاویٰ رضویہ کے بعض مسائل اور ان پر معرکہ الآراء ابحاث، اس دعویٰ پر برہان ساطع

اور شاہ عادل ہیں۔ اسی لیے تو محافظ کتب حرم، علامہ سید اسمعیل بن خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ”اگر امام ابو حنیفہ آپ (علیہ السلام) کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور

آپ کو اپنے اصحاب کے زمرے میں شامل فرمایتے“۔

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ

جو قبلہ اہل قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو



الطیبة البدیعة

اگر کوئی جنب ہو اور اس کے ساتھ کوئی ایسا حدث بھی ہو جو وضو واجب کرے تو ان سب صورتوں میں حکم یہ ہے کہ صرف تیمم کرے اور وضو اگر چہ مسخر نہیں اور اس کے قابل پانی بھی موجود اور وقت بھی اس کی وسعت ہے لیکن اصلاً وضو نہ کرے کیونکہ وہی تیمم جو جنابت کے لیے کریگا وہ حدث کے لیے بھی کافی ہو جائے گا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۸۰۴)

امام صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے شرح وقایہ میں یوں فرمایا ہے: "اذا كان للجنب ما يكفي للوضوء لا للفصل تیمم ولا يجب عليه التوضی عندنا خلافاً للشانعی اما اذا كان مع الجنابة حدث یوجب الوضوء یجب علیه الوضوء فالتیمم للجنابة بالاتفاق واذا كان للمحدث ما يكفي لغسل بعض اعضائه فالخلاف ثابت ایضاً۔"

چونکہ یہ عبارت ظاہر مذہب کے خلاف معلوم ہوتی ہے لہذا علمائے ما بعد اپنی اپنی تصانیف میں اس پر بحث کرتے آئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کا خاتمہ کرنے کی غرض سے ایک رسالہ "الطیبة البدیعة فی قول صدر الشریعہ" کے نام سے لکھا اور بدائع حلبي، شامی، ملک العلماء، کافی، زیلعی، فتح، علیہ، بحر اشرف، چلبی اور طحاوی وغیرہ کتب کتب کی روشنی میں ثابت کیا کہ جنابت کے ساتھ حدث بھی ہو اور غسل نہ کر سکتا ہو اور وضو کر سکے تو وضو بھی نہ کرے، دونوں کے لیے تیمم کافی ہے، احناف کا یہی مسلک ہے۔

امام اہل سنت نے اس دعویٰ پر سات دلائل قائم کیے اور انہیں تبیین الحقائق، علیہ،

اختیار شرح مختار، کنز الدقائق، تنویر الابصار، جواہر الفتاویٰ، نوازل، خزائنہ المفتیین، خلاصہ، کاشانی غنیہ، مجمع القدر، شرح نقایہ، برجندی، بحر الرائق، مبسوط، بدائع، در مختار اور رد المحتار وغیرہ بلکہ خود شرح وقایہ کے متعدد حوالوں سے محققانہ انداز پر جوہاد تحقیق دی اور جس جوہد طبع کا مظاہرہ کیا وہ صرف اعلیٰ حضرت ہی کا حصہ ہے۔

اس کے بعد مسکب احناف کی تائید میں بعض نصوص پیش کیے۔ پھر علمائے کرام نے اپنی تصانیف میں حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر جو کلام کیا یا تاویلات و توجیہات فرمائی ہیں ان کو نبر وار نقل کر کے ہر ایک فقہیہ کی بحث اور تاویل و توجیہ پر تصریحات علمائے کرام اور خود ان ہی کی تصانیف کی روشنی میں کلام کیا ہے۔

جناب مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے اسی قول صدر الشریعہ کی تردید کرتے ہوئے نہائی تحقیق پیش کی، جس کا پچیس وجہ سے امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے رد فرمایا۔ اس کے بعد حضرت صدر الشریعہ کے مذکورہ قول کی صحیح تاویلات پیش کر کے، عبارت کو اس طرح شرح کیا کہ سرے سے کوئی اعتراض ہی وارد نہ ہو۔

فقہائے کرام کے درمیان حضرت صدر الشریعہ کا مذکورہ قول ایک مدت سے موضوع بحث اور ناقابل قبول بنا ہوا تھا لیکن بارگاہ رضوی سے اس کی وہ تحقیق شرح ہوئی کہ انگشت نمائی کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ اس قول کے اجمال کی وہ تفصیل کی کہ اب یہ احناف کے فقہیہ مسئلہ کے مطابق ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ، خاص طور پر قابل غور ہیں۔ دھذا کما تدری بحمد اللہ تعالیٰ احق یا سم الشرح من اسم التادیل اذ لیس فیہ صریح لفظ عن معنا لا اصلا وانا اجعلہ ہدیۃ لروح الامام صد والشریعۃ جعلہ اللہ تعالیٰ لا صلاح احوالی و مغفرۃ ذنوبی ذریعۃ ۱۱۔ اس قول کے زیر بحث آنے سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوئے۔

- ۱۔ اعلیٰ حضرت کی خداداد علمیت، محققانہ شان اور تائید ربانی منظر عام پر آگئی۔
- ۲۔ مذکورہ بحث کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔
- ۳۔ مذکورہ مسئلہ کی بعض ایسی صورتیں مع احکام بھی مذکور ہو گئیں، جن کے بیان سے دیگر فقہی کتابوں کا دامن تہی ہے۔
- ۴۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جنابت و حدث کی حالت میں تیمم کرنے کی جملہ صورتوں کو سولہ مسائل کی صورت میں بطور خلاصہ بیان کر دیا، جنہیں ”ضابطہ رضوی“ کے نام سے موبوم کرنا بے جا نہ ہوگا۔



(۱۲)

مسئلہ لمعہ

جنب نے بدن کا کچھ حصہ دھویا کچھ باقی رہا کہ پانی ختم ہو گیا، پھر حدث ہوا کہ موجب وضو ہے۔ اب جو پانی ملے اسے وضو اور رفع حدث میں صرف کرے یا بقیہ جنابت کے دھونے میں۔ یہ مسئلہ لمعہ ہے۔ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وہ تفصیلی تحقیق معہ حوالہ جات بیان فرمائی کہ فقہ کی کسی کتاب میں اس کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ملے گا۔ ذالٰح فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

فقہ کی ہر ایک کتاب میں لمعہ کی صورتیں مع احکام مندرج ہیں۔ سب سے زیادہ صورتیں شرح وقایہ کے اندر بیان ہوئی ہیں، جن کا شمار پندرہ^{۱۵} ہے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے کرم سے امام اہل سنت کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے کی شکل میں ظاہر کیا، جنہوں نے علیحدہ علیحدہ گن کر لمعہ کی اٹھانویں صورتیں بیان فرمائیں اور ہر ایک صورت کا مدلل شرعی حکم واضح کیا۔ چونکہ بعض صورتوں کا حکم ایک ہی جیسا ہے لہذا اٹھانویں صورتوں کے احکام کی تعداد تیس بیان فرمائی۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے جو اختلافات و اضطراریات ہیں، متعلقہ عبارات میں نقل کر کے انہیں رفع کیا گیا۔ پھر مصنف نے تمام فقہاء سے بہتر اور جامع، اپنا ضابطہ کلیہ بھی بیان کر دیا ہے علاوہ ازیں جٹ نجاستِ حکمیہ اور تحقیقیہ کا اجتماع ہو جائے اور پانی صرف ایک کے لیے بقدر کفایت موجود ہو نیز جٹ حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں کا اجتماع ہو جائے اور پانی اتنا ہے کہ صرف ایک حدث کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ ان دونوں صورتوں سے متعلق

عبارت علماء نقل کر کے، ان پر کلام کیا اور واضح فرمایا کہ اس مسئلہ میں ترجیح احرار مذہب، امام محمد رحمۃ اللہ کے قول کو ہے۔

آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقت واقعہ کالیوں اظہار فرمایا ہے جو خاصہ نور طلب اور فکر انگیز ہے :-

”الحمد للہ کتاب مستطاب ”حسن التعمیر لبيان صلا تميم“ مسودہ فقیر سے اٹھارہ جزو سے ناید میں باحسن وجوہ تمام ہوئی جس میں صد ہا وہ اباحت جلیلہ ہیں کہ قطعاً طاقت فقیر سے بدرجہا وراہیں مگر فیض قدیر، عاجز فقیر سے وہ کام لے لیتا ہے جسے دیکھ کر انصاف والی نگاہیں کہ حسد سے پاک ہوں ناخاستہ کہہ اٹھیں۔ ع

کہ توك الاول للاخو

کتے مسائل جلیلہ معرکہ الاراد بجدہ تعالیٰ کیسی خوبی و خوش اسلوبی سے طے ہوئے وِیْلِلّٰہِ الْحَمْدُ کتاب میں حاصل مضمون کے علاوہ آٹھ رسائل ہیں۔۔۔ بہر حال جو کچھ ہے۔ میری طاقت سے وراہ اور محض فضل میرے رب کریم

پھر میرے نبی رؤف و رحیم کا ہے“

(فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۸۴۹)



رقت و سیلان

رقت و سیلان کی فقہی تعریف اور احکام کے بارے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ "الدقة والتبیین لعلم الدقة والسیلان" کے نام سے تحریر فرمایا۔ اس میں بھی تحقیق کے وہ نزلے جو ہر دکھائے گئے ہیں کہ اُمت مسلمہ کو زیر بار احسان کر کے دینائے اسلام کے تمام اہل علم حضرات کو درطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اس مسئلے کا ایسا محققانہ تفصیلی اور جامع بیان دیگر کسی بھی فقہی کتاب میں موجود نہیں ہے۔

بخوب طوالت ذیل میں ہم صرف ان امور کے عنوان ہی پیش کرتے ہیں جن پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد است علمائے کرام کے تحت معرکہ الآراء بحث کی ہے۔ معنی طبیعت پانی کی طبیعت، رقت و سیلان ہے۔ ————— معنی رقت و سیلان —————

ذکورہ امور پر بحث کرنے کے بعد وضاحت سے ثابت کیا کہ رقت دو قسم کی ہوتی ہے:-

(۱) رقت بالفعل (۲) رقت بالقوة ————— پھر ان کے متعلق احکام پر تفصیلی بحث

فرمائی ہے۔

شرع میں جس حد کی رقت معتبر ہے اس کے متعلق عبارات علماء رقیین قسم کی ہیں۔ آپ نے تین مقدمات پیش کر کے ان عبارتوں کی محققانہ اصلاح فرمائی۔ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت مسئلہ کی صورت کو واضح کیا یعنی:-

رقتی بے جرم ہے اور کثیف ذمی جرم ————— بے جرم سے مراد ————— تحقیق معنی

رقتی ————— اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رقیق کی جو بے مثل تعریف بیان کی اس سے علمائے کرام

کی کتنی ہی عبارتوں کا اختلاف مٹ گیا۔ غرضیکہ اس تعریف سے میں فائدے حاصل ہوئے ہیں جن کی تفصیل اصل رسالے میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

رقت کا کثافت میں تبدیل ہونا غلبہ غیر سے ہوتا ہے لیکن — غلبہ کس امر میں مراد ہے — غلبہ اجزائے مراد — مذکورہ معانی میں کس کو ترجیح ہے؟

ان عنوانات پر فادوی، برجنڈی، امام عینی، شرنبلالی، مجمع الانہر، درر، شامی، مسکین، حموی، ابی السعود، غلبہ، چلبی، قمستانی، بحر، عنایہ، طحاوی، عبدالحکیم، حلیہ، جوہرہ، نیرہ، عنایہ بنایہ، غایتہ البیان، عقی الاہر، فرائد، قرہ باغی، منیہ وغیرہ نیز تمام اہل ضابطہ اور علامتہ الشراح کے ارشادات کی روشنی میں محققانہ فاضلہ بحث فرمائی ہے۔

پھر واضح کیا کہ: — طبع کی حقیقت کیا ہے؟ — طبع میں منع کس وجہ

سے ہے؟ — یہاں ہدایہ کی عبارت میں اعلیٰ حضرت کے نزدیک قوی اشکال تھا اور اسے شارحین نے رفع نہیں کیا تھا، کفایہ، درایہ، بنایہ، ابن اشلبی اور درر وغیرہ کی روشنی میں اسے حل فرمایا گیا۔ طبع کی حقیقت اور طبع میں ممانعت پر قمستانی بحر اور خلاصہ کی روشنی میں بے مثال تحقیق فرمائی، متون کے ارشادات، طبع کے بارے میں نقل کر کے ان کا موازنہ کیا اور امام اہل سنت نے ان ارشادات کی وہ تنقیح فرمائی جو آپ کے علمی تبحر کی روشن دلیل ہے۔

”تغیر اوصاف“ کے متعلق متون کی مراد بیان کرنے میں شروع کا اختلاف ہے۔ اعلیٰ حضرت

رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کے بیانات نقل کرنے کے بعد ان کی اصلاح فرمائی اور متون کی اصل مراد ظاہر کی۔ ان بیانات کو مجمع الانہر، فادوی، تبیین، نفع، سنایہ، عنایہ، بنایہ، درایہ، کفایہ، غایہ، سعدی، جوہرہ، حلیہ، ابی السعود، مسکین — کے مندرجات کی روشنی میں محققانہ انداز میں منقح کیا۔

اس کے ساتھ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ضابطہ پیش کیا اور جن فقہانے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

کے قول کو اختیار کیا ہے اُن کی وہ متعلقہ عبارتیں نقل کر کے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تنقیح فرمائی ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ وہ عبارتیں نقل کر کے امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیحات پیش کروں لیکن طوالت کا خوف ایسا کرنے سے مانع ہے کیونکہ یہ بحث بڑے سائز کے دس صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ کی توجیہ پیش کرتے ہوئے اُن کے دلائل کا حجاب دیا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مسئلہ مسائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ مخریہ مذہب کی بجائے یہاں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ضابطہ صحیح، معتمد اور مستند متون کا مفاد ہے۔

۲۔ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ برجندی رحمۃ اللہ علیہ کا ضابطہ نقل کر کے اس پر انیس^۹ وجہ سے کلام کیا ہے۔

۳۔ امام زبیری رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ پر چھتیس^{۳۶} وجہ سے کلام کیا ہے۔

۴۔ امام زبیری کی تبعیت میں بحر الرائق کے کلام پر چھتیس^{۲۶} وجہ سے کلام کیا ہے۔

۵۔ اسی باب سے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر بارہ وجہ سے کلام کیا ہے۔

۶۔ آخر میں امام اہل سنت نے اپنا بے نظیر ضابطہ پیش کیا ہے جو ضابطہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور جمیع ضوابط کے جزئیات صحیحہ معتمدہ کا جامع ہے۔

امام زبیری کے ضابطہ پر کلام کرنے سے پیشتر امام اہل سنت نے ادب و احترام کے

ساتھ یوں حقیقت کا اظہار کیا ہے:۔ یہ فقیر حقیر غفرلہ الغفور القدر، اکابر کے حضور

زبان کھولنے کی کیا لیاقت رکھتا ہے مگر بحمد اللہ المولیٰ سبحانہ، و تعالیٰ جب دامن

الکندہیب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ہاتھ میں ہو تو دل قوی ہوتا ہے! (فتاویٰ رضویہ

جلد اول ص ۵۲۶) نیز اپنا ضابطہ پیش کرنے سے پہلے، یوں ارشاد فرمایا: سبحان اللہ!

فقیر بھی کوئی شے ہے کہ احکام میں زبان کھول سکے۔ ماشاء اللہ ضابطہ وہی ضابطہ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ باتباع علماء اُس کے اجمال کو مفصل کر دیا۔ تفصیل میں خدمت گاربی کلام اکابر کے صدقہ سے جن تحقیقات کا اضافہ ہوا اُن پر اہتمام سے شقوق کیا ہے۔ جملہ ضوابط صحیحہ مذکورہ کو ایک دائرہ کے احاطہ میں لیا ہے، اُس نے بیان کو اظہر واجمع و انور و انفع کر کے ضابطہ کے لیے فطرت جہت سیانہ ہے!

(فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۵۳۶)

نور چشم بوحیفہ، اہل سنت کا امام
ہے مجدد اس صدی کا اور محقق لا کلام

اظہارِ حقیقت

قارئین کرام! مندرجہ بالا مختصر و تعارفی مضمون سے آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہوا کہ اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجدد مائتہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ آسمانِ نقہ کے ہر درختاں ہیں۔ ماہرین پر یہ امر بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگرچہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مجتہد نہیں بلکہ امام اعظم، سراج است محمدیہ، ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے لیکن اُن کے بعض فتوے تحقیق و تدقیق کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، جن سے اجتماع کا رنگ جھلکتا ہے۔

بعض نئے مسائل یا ایسے مسئلے جن پر تصانیفِ علمائے کرام کے متون و شروح میں تفصیلی بحث نہیں کی گئی، جب وہ آپ کے سامنے پیش ہوئے تو اس شان سے واد تحقیق دی کہ تسبیح کے دانوں کی طرح دلائل کو ایک لڑی میں پر دستے چلے گئے اور آپ کی تحقیقات کے مطالعہ کے دوران یہ واضح ہوتا ہے کہ جملہ مندرجات ہر وقت پیش نظر رہتے تھے اور حل طلب مسائل پر ان سب کی روشنی میں تبصرہ اور بحث فرمائی جاتی تھی۔ جن مسائل یا دلائل میں فقہاء کا اختلاف ہے وہاں مدلل طور پر ایک کی اصلاح اور دوسرے کی ترجیح یا صحت کو ثابت

کیا ہے۔

غرضیکہ جب اور جس مسئلہ میں، امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قلم میدانِ تحقیق میں اترا، تو اس کی برق رفتاری اور سلامت روی کے پیش نظر، آج بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نجیب میں اجتہاد و استنباط مسائل کی پوری پوری قدرت تھی اور اس مقام رفیع پر ممکن ہونے کی ان میں بہت حد تک صلاحیت پائی جاتی تھی، اگرچہ من کل الوجہ آپ مجتہد نہیں تھے اور نہ انہیں مجتہد ہونے کا دعویٰ تھا بلکہ وہ اجتہاد کے دروازے کو بالکل بند سمجھتے تھے۔

مقدمات اہل سنت، نیربُرج ہدی

انتخار دین و ایمان، حضرت احمد رضا

مخالفین کا اعتراف عظمت

۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں ”مرکزی مجلسِ رضا لاہور“ کی تحریک پر اترنے پر یہ مقالہ لکھا تھا۔ اس میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی (م ۱۳۲۶ھ) کا قہاہت میں علمی مقام بھی ان کی مایہ ناز نقی تصانیف سے پیش کیا تھا کیونکہ اول الذکر کو دیوبندی حضرات ”نقشبہ النفس“ اور موخر الذکر کو مجدد و حکیم الامت بلکہ ”جامع المجددین“ تک قرار دیتے ہیں جو ان حضرات کی محض تصیّدہ خوانی ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے یگانہ روزگار و مرکز دائرہ تحقیق ہونے کا جو کہ کرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر ممالک کے نامور معاصروں علمائے کرام نے اقرار کیا اسی سیکڑوں میں سے صرف تیس عبارتیں اس مقالے میں پیش کی گئی تھیں۔ علاوہ بریں اعلیٰ حضرت نے جو بعض علمائے دیوبند کی تکفیر کی تھی اس موضوع پر بھی اصل عبارتوں کی روشنی میں بحث کی تھی لیکن مذکورہ بالا تینوں قسم کے بیانات کو اس مقالے سے خارج کر دیا گیا ہے اور یہ کام برادر م محمد عارف رضوی صدر

مرکزی مجلس رضا لاہور کے ایما پر کیا گیا ہے۔

عرب و عجم کی یگانہ روزگار علمی، مستیوں نے اعلیٰ حضرت کے عظیم علمی مقام کو سراہا اور آپ کی توصیف میں رطب اللسان رہے جس کا شکر عیش بھی آپ کے کسی معاصر کو نصیب نہیں ہوا۔ اور یہاں اعلیٰ حضرت کے فضل و کمال کا بین دلیل ہے۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ کے شدید مخالفین بھی آپ کی علمی بعیرت، عشق رسول اور ایمانِ کامل کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے تو فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے بلند ترین علمی مقام کے لیے مزید کسی شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لہذا "الفضل ما شهدت به الاعداء" کے مسلمہ اصول کے تحت اب چند مخالفین کے بیانات ملاحظہ ہوں۔

تھانوی صاحب کے بیانات

- ۱۔ "حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھ کو مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع ملتا تو میں پڑھ لیتا۔"
داعوہ اکابر ۱۵، ہفت روزہ چٹان لاہور، ۱۱ فروری ۱۹۶۳ء
- ۲۔ "حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی صاحب کا قول ہے کہ کسی بریلوی۔۔۔۔۔۔ کو کافر نہ کہو اور نہ آپ نے کسی بریلوی کو کافر کہا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی ایک بڑے جلسے سے خطاب کر رہے تھے، ابھی آپ نے تقریر شروع کی تھی کہ خیر علی کہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی انتقال کر گئے ہیں۔ تو آپ نے اسی وقت تقریر کو ختم کر دیا اور غمزہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب سے ہمارا زندگی میں اختلاف رہا، لیکن ہم ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ اسی وقت حکیم الامت تھانوی صاحب نے خود اور اہل جلسہ نے آپ کے ساتھ مولوی احمد رضا کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔" (ہفت روزہ چٹان لاہور، ۷ دسمبر ۱۹۶۲ء)

۴۔ سامنے اس کے نہ کہتے، مگر اب کہتے ہیں
لذتِ عشق گئی غیر کے مرجانے سے

۳۔ ”حضرت دالا (تھانوی صاحب) کا مذاق باوجود احتیاط فی المسک کے اس قدر وسیع اور حسن ظن سے ہوئے ہے کہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی۔۔۔ کے بھی بُرا بھلا کہنے والوں کے جواب میں دیر دیر تک حمایت فرمایا کرتے ہیں اور شہرہ مد کے ساتھ رد فرمایا کرتے ہیں کہ ممکن ہے اُن کی مخالفت کا سبب واقعی حُبِ رسول ہی ہو اور وہ غلط فہمی سے ہم لوگوں کو لغو ذبا لہ گستاخ سمجھتے ہوں“

(اشرف السوانح جلد اول ص ۱۲۹)

۴۔ مولانا تھانوی نے فرمایا: میرے دل میں احمد رضا کے لیے بے حد احترام ہے وہ ہیں کافر کتاب ہے لیکن عشقِ رسول کی بنا پر کتاب ہے کسی اور غرض سے تو نہیں کتاب!۔
(دچان لاہور۔ ۲۳ اپریل ۱۹۶۲ء)

مولوی مرتضیٰ حسن دہلوی کی رائے

۵۔ مدرسہ دیوبند کے سابق، ناظم تعلیمات مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دہلوی لکھتے ہیں اگر خان صاحب (ایہ حضرت) کے نزدیک بعض علمائے دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا تو خان صاحب پر ان علمائے دیوبند کی تکفیر فرض تھی اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے، جیسے علمائے اسلام نے جب مرزا صاحب کے عقاید کفریہ معلوم کر لیے اور وہ قطعاً ثابت ہو گئے تو اب علماء اسلام پر مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر و مرتد کفار فرض ہو گیا، اگر وہ مرزا اور مرزائیوں کو کافر نہ کہیں خواہ وہ لاہوری ہوں یا قدنی (قادیانی) وغیرہ تو وہ خود کافر ہو جائیں گے کیونکہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔
(اشد العذاب ص ۱۳)

جماعت اسلامی کے نائب امیر کی رائے

۶۔ ”مولانا غلام علی صاحب، نائب مولانا مودودی صاحب مدظلہ العالی نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کتابیں لے کر مطالعہ فرمائیں، تو فرمایا۔۔۔۔۔ ”حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں ہم لوگ سمجھتے غلط نہیں ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں ان کے ہاں پائی ہے وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشق خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔ مجھے تو ان سے سوائے مسئلہ تکفیر کے اور کسی مسئلے میں کوئی خاص اختلاف نہیں جتنے بھی اختلاف ہیں وہ بہت معمولی ہیں“

دہشت روزہ شہاب لاہور۔ ۲۵ نومبر ۱۹۶۲ء

ماہنامہ معارف کا تبصرہ

فتاویٰ رضویہ جلد سوم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

۷۔ ”مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب مرحوم اپنے وقت کے زبردست عالم مصنف اور فقیہ تھے۔ انہوں نے چھوٹے بڑے سیکڑوں فقہی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں۔ قرآن کا ایک سلیس ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان علمی کارناموں کے ساتھ ہزار ہا فتوؤں کے جواب بھی انہوں نے دیے ہیں۔ ان کے بعض فتوے کئی کئی صفحے کے ہیں۔ فقہ اور حدیث پر ان کی نظر بڑی وسیع ہے۔ دو جلدیں اس سے پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ اب تیسری جلد ”سنی وار الاشاعت“ مبارکپور اعظم گڑھ نے شائع کی ہے۔ اس جلد میں ۸۴۲ مسائل ہیں۔ اب ان کے فتاویٰ کی آٹھ جلدیں اور باقی ہیں (آٹھ نہیں بلکہ نو باقی ہیں۔ اختر) ان فتاویٰ میں بعض نئے پیدائشی مسائل

کے متعلق بھی فتوے سے ہیں جن کا جواب مولانا نے بڑی وسعت نظر سے دیا ہے بہر حال مولانا کے مخصوص خیالات سے قطع نظر ان کے فتاویٰ اس قابل ہیں کہ ان کا مطالعہ کیا جائے۔ ان سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے“ (ماہنامہ موارف اعظم گڑھ بابت فروری ۱۹۶۲ء)

معارف کا فتاویٰ رضویہ جلد چہارم پر تبصرہ

۸۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرحوم اس دور کے صاحبِ علم و نظر علماء و مصنفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر ان کی نظریہ وسیع اور گہری تھی۔ چند سال پہلے ان کے فتاویٰ کی تیسری جلد پر ”معارف“ میں تبصرہ شائع ہو چکا، یہ چوتھی جلد ہے جو جنازہ زکوٰۃ، صوم اور حج کے متعلق تقریباً ساڑھے چار سو مسائل پر مشتمل ہے۔ ان ابواب کے متعلق مولانا کے بعض مستقل رسالے اور کئی کئی صفحے کے طویل فتوے بھی اس میں شامل ہیں۔

مولانا نے جس وقت نظر اور تحقیق کے ساتھ جواب تحریر فرمائے ہیں اس سے ان کی جامعیت، علمی بصیرت، نقی جزسی، استحصار، ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ مولانا کے تکفیری آراء و اقوال سے قطع نظر ان کے یہ عالمانہ

۱۵۔ اعلیٰ حضرت نے جن چند لوگوں کی تکفیر کی تھی ان کے اخلاف اس حقیقت کو غلط انداز میں پیش کرتے ہیں اس موضوع پر ہمارے نفاصل بزرگ مولانا علامہ غلام علی اور کاڑوی نے نہایت محققانہ کتاب لکھی ہے۔ اس لاجواب کتاب کو مرکزی مجلس رضا چھاپ رہی ہے۔ اس کی اشاعت سے اہل حق پر واضح ہو جائے گا کہ اعلیٰ حضرت نے حکم تکفیر جاری کر کے حدود شریعت کی پاسبانی کی ہے اور ان مفکرین کے فتنے کا بھی سد باب ہو جائے گا۔ اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کو ”جذباتی“ قرار دیتے ہیں اور انہیں صریح کفریہ بدلتوں میں صرف کفر کا ”احتمال“ نظر آتا ہے۔ (محمد عارف رضوی)

و محققانہ فتاویٰ سے، مخالف و موافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں۔ اس ضخیم مجموعہ کی اشاعت پر ناشر مبارکباد کے مستحق ہیں۔“ (معارف۔ ستمبر ۱۹۶۹ء)

بخوبی طوالت یہاں صرف اٹھ شہادتیں پیش کی ہیں۔ انہیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کرامت شمار کیجیے یا آپ کے بلند پایہ اور محققانہ علمی کارناموں کی افادیت کا کرشمہ کہ مخالفین بھی ایسے بیانات دینے پر مجبور ہو گئے۔ کیوں نہ ہو۔ جبکہ دیگر جماعتوں کے علماء کے فتاویٰ سے بھی موجود ہیں لیکن فتاویٰ رضویہ اور ان تصانیف میں بلحاظ علمیت اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ آفتاب اور ستاروں کی نورانیت میں۔ مگر بعض مضمیوں کا حقیقت سے بغاوت کرنا الگ بات ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کا نام نامی و اسم گرامی ان کے جاندار اور محققانہ علمی کارناموں کی وجہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی جملہ غیر مطبوعہ تصانیف کو شائع کیا جائے۔

حضرت سید محمد معصوم شاہ صاحب سجادہ نشین چک سادہ شریف، اللہ تعالیٰ ان کو بلند مراتب عطا کرے کہ انہوں نے لاہور میں دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے قریب نوری کتب خانہ قائم کیا اور اپنی بساط کے مطابق اعلیٰ حضرت کی اکثر تصانیف کو شائع کرایا۔ مدینہ پیشنگ کمپنی کراچی واسے آج کل اعلیٰ حضرت اور دیگر علمائے اہل سنت کی تصانیف کو معیاری انداز پر شائع کر رہے ہیں۔ باری تعالیٰ شانہ انہیں اس سے بھی زیادہ توفیق دے، ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات کچھ کام کر دکھانے کے عزائم لے کر اس میدان میں کود چکے ہیں۔ مرکزی مجلس رضا لاہور کی کارگزاریاں بھی قابل صد ستائش ہیں۔

جناب مولانا عبدالحکیم شرف لاہوری صدر مدرس دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور (نہرا) صوبہ سرحد میں بطریق احسن اعلیٰ حضرت کے علوم کی اشاعت کر رہے ہیں۔ (جزاہم اللہ اہل سنت کو ان جملہ اداروں سے تعاون کرنا چاہیے تاکہ یہ علمائے اہل سنت اور

علی حضرت کی زیادہ سے زیادہ تصانیف کو منظر عام پر لاسکیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ
 السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتَبَّ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
 عَلَى حَبِيبِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ۝

عبدالحکیم خاں اختر
 شاہجہانپوری منظمی
 لاہور

۲۴ صفر المنظر ۱۳۸۹ھ
 مطابق ۱۲ مئی ۱۹۶۹ء



فیضِ رضا پائندہ باد

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا پچاسواں یوم "مرکزی مجلسِ رضا لاہور" نے برکتِ علی ہال میں منایا، اس مقدس تقریب کے موقع پر، صاحبِ یوم کے متعلق، احقر نے اپنے تاثرات کو درج ذیل اشعار میں مرکوز کیا نیز مقطع میں اس عرس کی تاریخ بھی لکھی ہے

ادرج ہر حضرت احمد رضا پائندہ باد

ضرفشاں ہے لمعہ، شمعِ ہدای پائندہ باد

دارتِ علمِ پیمبر، نایبِ غوثِ الوری

محی دین و فخرِ ملت، مرجبا پائندہ باد

اے علمبردارِ حق، اے ناصرِ دینِ تینس

اے فداکارِ محمد مصطفیٰ پائندہ باد

ترجمہ قرآن کا لکھ کر کنزِ ایماں کر دیا

اے مفسر! واقفِ رازِ خدا پائندہ باد

شرحِ فقہِ بوضیفہ ہے فتاویٰ آپ کا

ہے یہ فضلِ حق، نبی کی ہے عطا پائندہ باد

علمِ عرفاں کے خزان ہیں رسائلِ آپ کے

نورِ ایمان سب کے اندر بھردیا پائندہ باد

مصطفیٰ کی آن پر سب کچھ کیا تم نے نثار

وگئے مشہورِ عبادِ مصطفیٰ پائندہ باد

علم و عرفاں، جان ایساں ہے فقط عبتِ نبی
تیرا یہ فرمان دل میں بس گیا پائندہ باد
تیرے مرقد پر رہیں انوارِ حق جلوہ نشاں
تو نے جو پُر نور عالم کر دیا پائندہ باد
سورہ ہے میں اہل سنت سیدی احمد رضا
ان کے حق میں کر دعا بے خدا پائندہ باد

کھاکِ اختر کی کرشمہ کاریوں کو دیکھ کر
کہتے ہیں اہل نظر فیضِ رضا پائندہ باد
۱۳۹۰ھ

اختر شاہ جہان پوری مظہری لاہور۔



نذر عقیدت

امام اہل سنت کون ہے؟ میرے شہاتم ہو!
 یہ بیڑہ شنیوں کا اور اس کے ناخدا تم ہو
 وہ جس کی ذات پر ہے فخر اگلوں اور پھیلوں کو
 بفضیل حق اسی حقانیت کے راہنما تم ہو
 وہ توحید و رسالت کے معانی جس نے سمجھائے
 حصارِ دین و ملت، ہادی راہِ ہدی تم ہو
 محافظ تھا جو ناموس رسالت کا زمانہ میں
 جسے یہ فخر تھا کہ ہوں میں عبدالمصطفیٰ تم ہو
 وہی جو عظمتِ نعم الرسل کا پاسباں ٹھہرا
 عزیزِ بحرِ الفت، عاشقِ نورِ خدا تم ہو
 قبولیت ملی ہے جس کو دربارِ رسالت میں
 رضائے احمد مختار یا احمد رضائے تم ہو
 کیا اسلام زندہ جس محی الدین ثانی نے
 مسلمانوں کا تھا اس دور میں جو آسرا تم ہو
 کمالاتِ غزالی اور رازی کا مرقع ہو!
 سیوطی اور محقق دہلوی کا اُیۃ تم ہو
 علومِ ابن عربی، سوزِ رومی، عشقِ جامی بھی!
 سما یا جس کے سینے میں وہ قطب الاولیاء تم ہو
 شریعت میں امامت کا رہا سہرا تمہارے سر
 جو ہے اہل طریقت کے لیے قبلہ نما تم ہو

امام یوسفیہ کے ادھر نور نظر ٹھہرے!
 طریقت میں ادھر بھی نائبِ غوث الوریٰ تم ہو
 حرمِ دالوں نے ہو کر یک زبانِ اعلان فرمایا
 علوم و معرفت میں آج کل سب سے سوا تم ہو
 وہ جس کے زہد و تقویٰ کو سراہا شانِ دالوں نے
 کمایوں پیشواؤں نے ہمارے پیشوا تم ہو
 حقیقت ہے طے ہیں دینِ دایماں آپ کے گھر سے
 شریعت کے محافظ، اسے شہِ احمدِ رضا تم ہو
 تمہیں تو قائدِ سالار ہو نوری جماعت کے
 ہدایت کی کسوٹی دورِ حاضر میں شہما تم ہو
 حدائقِ جس نے بخشش کے بسائے حُبِ نبوی سے
 مدینے کا وہ بیل، طوطی نغمہ سرا تم ہو
 علماء کفر کے جس نے سرِ میدان پچھاڑے تمہے
 علمبردارِ شانِ مصطفیٰ شیرِ خدا تم ہو
 کہ بارہ سو چھیالیس سن سے لے کر آخری دم تک
 جو چون سالِ مذہب کی حمایت میں لڑا تم ہو
 ہدایت کے تمہیں اس دور میں ہو نیرِ تاباں
 ہے یہ بے نور اختر اس میں بھی جلوہ نما تم ہو

د اختر شاہجہاں پوری لاہور



قطب تارک طباعت طبع اول

نتیجہ فکر

جناب مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ،
سجادہ نشین ساہن پال شریف (گجرات)

شعر

بحمد اللہ این نسخہ پر ضیا !	مکمل شد از لطف ذاتِ خدا
باتوال حضرت امام زماں	کہ احمد رضا نام او خوشنوا
مجدد بشرع رسالت مآب	بعلم تصوف شدہ مقتدا
بفقہ حنفی مقاشش بلند	بدین نبی بود فرسخ لقا!
تربیع و تعلیم او ہر کسے	منور شدہ از علوم ہدا
ز تالیف عالی شہیر جہاں	زہے مولوی اختر با صفا
کہ در شاہجہاں پور شدہ مولدش	بلاہور ہم فیضِ اوبے بہا

ز سال طباعت شرافت چو جہت
نداشت ز حالت "شہیم رضا"
۱۳۱۹ھ

قطب تارخ طباعت اول

نتیجہ فکر

جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا مدظلہ، مدیر اعلیٰ "مہر و ماہ"، لاہور

”فقہی مقام“ ایسی ہے تصنیف دل پذیر

عشق نبی کا جیل سے ہو پیدا دلوں میں جوش

انوار حق و ظلمت باطل کا فرق عین

ہے شمع حق نما کہ یہ تنویر حق نبوش

اختر کے علم و فضل کا شہکار یہ کتاب

منتفع اس سے ہو گا ہر اک اہل ہوش و گوش

سال طباعت اس کا زریعہ یک ماہ عصر

فیض متین فدا سے ہے گویا ہوا سروش
۱۳۹۱ھ = ۱۹۱۰ء

- ۱۰۔ ترجمہ و تفسیر، مؤطا امام مالک، جلد اول (فریڈیک سٹال، اردو بازار لاہور ۱۹۸۳ء) {
 روپے { (" " " " " ") جلد دوم (" " " " " ")
 ۱۲۔ ترجمہ سنن ابن ماجہ، جلد اول (" " " " " ") {
 روپے { (" " " " " ") جلد دوم (" " " " " ")
 ۱۳۔ ترجمہ و تفسیر، سنن ابوداؤد، جلد اول (" " " " " ") {
 روپے { (" " " " " ") جلد دوم (" " " " " ")
 ۱۴۔ ترجمہ و تفسیر، سنن ابوداؤد، جلد اول (" " " " " ") {
 روپے { (" " " " " ") جلد سوم (" " " " " ")
 ۱۵۔ " " " " " " (" " " " " ") {
 روپے { (" " " " " ") جلد سوم (" " " " " ")
 ۱۶۔ ترجمہ و تفسیر، دارالمعارف (نوری کتب خانہ زیر سایہ دربار حضرت داماد گنج بخش لاہور) ۲۰ روپے

۳۔ غیر مطبوعہ تصانیف

- ۱۸۔ فاروق اعظم (تاریخی نام ہے، یہ تذکرہ ۱۳۹۸ھ میں لکھا گیا)
 ۱۹۔ مہر درخشاں (حضرت مجدد الف ثانی کا تفصیلی تذکرہ جو ۱۲۴ھ میں لکھا گیا)
 ۲۰۔ عظیم الشان (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا " " " " " " ۱۲۰۱ھ)
 ۲۱۔ ثانی اثین ابو بکر (یار غار رسول کا " " " " " " ۱۲۰۳ھ)
 ۲۲۔ کھلا خط (اکابر دیوبند کی تکفیر کا عام فہم علمی تجزیہ)
 ۲۳۔ مودودیت کا تحقیقی جائزہ (نفس مضمون ظاہر ہے)
 ۲۴۔ تقویۃ الایمان کا " " " " " ")
 ۲۵۔ صحابہ کرام مودودی صاحب کی نظر میں (" " " " " ")
 ۲۶۔ دوسرا زلزلہ (دیوبندی عقائد و نظریات تاریخ کے آئینے میں)
 ۲۷۔ منظر شریعت (فقہی مسائل کا جدید ترین مجموعہ)
 ۲۸۔ منظر البیان فی علوم القرآن (قرآن کریم سے متعلقہ معلومات کا جدید ذخیرہ)

- ۲۹۔ تجلیات منظر اللہ (حضرت مرشدی و مولائی کا تذکرہ)
- ۳۰۔ قرآنی عقائد و نظریات (نفسِ مضمون ظاہر ہے)
- ۳۱۔ قرآن مجید کا ضابطہ عبادات (" " ")
- ۳۲۔ قرآن مجید کا ضابطہ معاملات (" " ")
- ۳۳۔ قرآن مجید کا ضابطہ اخلاقیات (" " ")
- ۳۴۔ قرآن مجید کا ضابطہ تکفیر (" " ")
- ۳۵۔ مسلمانوں کی اصلی جماعت (" " ")
- ۳۶۔ دو قومی نظریہ کیا ہے ؟ (" " ")
- ۳۷۔ ارباباً من دون اللہ بنانا (" " ")
- ۳۸۔ مجددی عقائد و نظریات (" " ")
- ۳۹۔ صحابہ کرام حضرت مجدد الف ثانی کی نظریں (نفسِ مضمون ظاہر ہے)
- ۴۰۔ معجزات کا توحید و شرک سے تعلق (" " ")
- ۴۱۔ بشریت انبیائے کرام (" " ")
- ۴۲۔ دلی سے بالا کوٹ تک (سید احمد اینڈ کمپنی کی تحریک جہاد کیا تھی)
- ۴۳۔ عرفانِ رضا (احقر کے بعض دیباچوں کا مجموعہ)
- ۴۴۔ ایک طائرانہ نظر (قرآن مجید کے اردو ترجموں پر)
- ۴۵۔ " (کتب احادیث کے اردو ترجموں پر)
- ۴۶۔ تجلیاتِ احادیث (بعض ایمان افروز احادیث مع ضروری تشریحات)
- ۴۷۔ امام زمانہ (امام احمد رضا خاں کی انفرادیت)
- ۴۸۔ امام احمد رضا کا معتدل مسلک (نفسِ مضمون ظاہر ہے)
- ۴۹۔ امام احمد رضا خاں اور مسئلہ بدعت (" " ")

۵۰۔ چودھویں صدی کا مجدد و (امام احمد رضا کے مجدد ہونے پر
ناقابل تردید دلائل)

۵۱۔ چودھویں صدی کا فقیہ اعظم (امام احمد رضا کے فقیہ اعظم
ہونے کے علمی شواہد)

۵۲۔ بلبیل باغ رسول (نعت گوئی میں امام احمد رضا کی انفرادیت)

۵۳۔ پروانہ شمع رسالت یا پیکر عشق رسول (امام احمد رضا کا
بے مثال عاشق رسول ہونا)

۵۴۔ فردوس احمد رضا (نعت گوئی میں مقام رضا)

۵۵۔ ابرنجشش (پانچ بزرگوں کا اردو نعتیہ کلام)

۵۶۔ دیوبندیوں کے خوابوں کی دنیا (نفس مضمون ظاہر ہے)

۵۷۔ دیوبندیوں کا ریڈیو گپستان (" " ")

۵۸۔ علمائے دیوبند کی باہمی جوہتم پزیر (" " ")

۵۹۔ روافض کی اسلام اور مسلمانوں پر مہربانیاں۔

(نفس مضمون ظاہر ہے)

۶۰۔ موجودہ عیسائی اور بائبل (" " ")

۴۔ غیر مطبوعہ تراجم

۶۱۔ ترجمہ الاصول الاربعہ (مصنفہ مولانا حسن جان سرہندی)

۶۲۔ ترجمہ و تحشیہ شفاء السقام (مصنفہ امام تقی الدین سبکی)

۶۳۔ ترجمہ رسالہ تہلیلہ (مصنفہ حضرت مجدد الف ثانی)

۶۴۔ " اثبات النبوة (" " ")

- ۶۵۔ ترجمہ مبدا و معاد (مصنفہ حضرت مجدد الف ثانی)
 ۶۶۔ " معارف لدنیہ (" " " ")
 ۶۷۔ " کوائف مذہب شیعہ (" " " ")
 ۶۸۔ " شرح رباعیات (" " " ")
 ۶۹۔ " مکاشفات عینیہ (" " " ")
 ۷۰۔ " فتوح الغیب (ملفوظات غوث اعظم جیلانی)



مَنِيرُ الْعَيْنِ فِي حِكْمِ بَيْتِ الْإِسْلَامِ وَدِينِنَا
١٣٠١ هـ

انگوٹھے چوڑی

ایلیٹ حضرت امام احمد رضا خان بیلوی علیہ الرحمہ

فریدی کمال ۲۰۰۰ء بازار لاہور

